ماہنامہ
افکارِ العارف
لاہور

Monthly
Afkar-e-AL-ARIF
Lhr
December 2025

سانحہ APS، سقوطِ ڈھاکہ

خاتونِ جنت
جنابِ سیّدہ
فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

ماہنامہ افکار العارف لاہور
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF
LAHORE

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا

(حضرت علیؑ)

دسمبر 2025ء | جلد نمبر: 17 | شمارہ نمبر: 12
ڈیکلریشن نمبر: PCPB-495 | رجسٹرڈ نمبر: CPL-60

دامن العارف میں

مہنگائی، ناامیدی اور مایوسی کے دراز سائے اور پاکستان کے عوام	ادارہ	02
خاتونِ جنت جناب سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا	ارشاد حسین ناصر	05
ناجائز ریاست اسرائیل کے جنگی جنون کا نتیجہ	انتخاب از سوشل میڈیا	08
اسرائیل کی تاریخی شکست۔۔۔اعداد و شمار کی روشنی میں	علی واحدی	11
لبنان، حزب اللہ اور اسٹریٹیجی	ڈاکٹر راشد عباس نقوی	13
عراق انتخابات 2025ء، ایک سیاسی تجزیہ	سید اسد عباس	15
عراقی انتخابات اور امریکی گدھیں	ڈاکٹر راشد عباس نقوی	17
بلبل غزل سرا ہے یا حُسنِ گفتگو ہے	سید اظہر زیدی	19
اسرائیل کا ڈراؤنا خواب کیا ہے؟	ڈاکٹر صابر ابو مریم	21
گفتارِ دلنشیں	رہبر معظم	23
قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے ابتدائی حالات	عزادار حسین	25
مغرب منصوبہ بناتا ہے، فیصلہ یمن کرتا ہے	انتخاب از سوشل میڈیا	28
یومِ رحلت: علامہ محمد حسین طباطبائیؒ	حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ السید عمید الموسوی کاظمی	30
سانحہ سولہ دسمبر۔۔۔ہم کمزور ہیں یا طاقتور؟	ڈاکٹر نذر حافی	32
سیکولر ہندوستان پر مذہبی سیاست کا غلبہ	عادل فراز	34
مولانا غلام حسنین وجدانی کی بلا جواز گرفتاری	علی ناصر الحسینی	36
علامہ سید صفدر حسین نجفی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ)	سیدہ توقیر فاطمہ نقوی	38
رپورٹ اجلاسِ مرکزی کونسل	سید سروش زیدی (مرکزی جنرل سیکرٹری)	40
یمن میں نئی فتنہ انگیزی اور مقاصد	رضا دہقانی	42

مینجنگ ایڈیٹر: حیدر ثقفی
ایڈیٹر: ارشاد حسین ناصر
خاتون ایڈیٹر: خواہر عظمیٰ شیرازی
لیگل ایڈوائزر: سید عون سجاد ایڈووکیٹ

مجلس ادارت

- مولانا ظہیر الحسن کربلائی
- سید نثار علی ترمذی
- ڈاکٹر نذر حافی
- اطہر عمران
- مولانا ساجد گوندل

ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان
لبنان: علی اکبر — کویت: ذوالفقار مطہری
تہران: سید اصغر کاظمی — قم المقدس: سید مدثر ترمذی
امریکہ: سجاد بلوچ — برطانیہ: چوہدری امین طاہر

قیمت فی شمارہ 100 روپے
زرِ سالانہ 1000 روپے
زراشتراک بیرون از ملک
بھارت، ایران، سعودی عرب، ابوظہبی، کویت، امریکہ، لبنان، یو کے 25 ڈالرز

پبلشر ارشاد حسین نے بینکوئٹ پریس لاہور سے چھپوا کر 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

Afkaralarif@gmail.com
برائے رابطہ: ماہنامہ افکار العارف المصطفےٰ ہاؤس 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ لاہور فون
0423-5912650
0333-4424817

اداریہ

ہم کل بھی سردار صداقت کے امین تھے ہم آج بھی انکار حقیقت نہ کریں گے

مہنگائی، نا امیدی اور مایوسی کے دراز سائے اور پاکستان کے عوام

ایک زمانہ تھا جب پاکستان میں کسی بھی چیز کی معمولی قیمت میں اضافہ ہوتا تھا تو اخبارات و میڈیا میں طوفان اٹھ جاتے تھے، پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ پہ ملک گیر ہڑتالیں ہوجاتی تھیں، بجلی کی مہنگے نرخوں اور بڑھتے ٹیکسز کے خلاف واپڈا کے دفاتر جل جاتے تھے، لوڈ شیڈنگ کے عذاب سے تنگ آئے عوام احتجاج کرتے ٹرینوں تک کو آگ لگا دیتے تھے، ایک طوفان برپا ہوتا تھا، تب دو پارٹی سسٹم تھا، پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ دینی جماعتیں جو بعض اوقات دینی اتحاد کی شکل میں سیاست میں فعال رہتیں بھی اپنا حصہ ڈالتیں، تب سالانہ تخمینہ بجٹ منظور کروانا بھی ایک مشکل مرحلہ ہوتا تھا، دونوں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کو لتاڑتی تھیں اور نتیجہ میں فائدہ تیسری قوت اٹھا لیتی تھی۔ قیمتوں کے تقابل سامنے آتے تھے، نرخوں کے اگلے پچھلے بھاؤ بیان ہوتے تھے، کپاس کی قیمت، گنے کی قیمت، سبزیوں اور پھلوں کی قیمتیں، دال و چینی کے نرخ اور دیگر اشیائے خورونوش کی قیمتیں ہنگامے کھڑے کر دیتی تھیں۔

اب جب سے ہائبرڈ سسٹم رائج ہوا ہے، ہر ایک طرف سکون ہو چکا ہے، مہنگائی نے جینا دو بھر کر دیا ہے، اشیائے خور و نوش، سبزیاں، دالیں آٹا، کے نرخ تو کب بڑھتے ہیں کب اوپر چڑھتے ہیں کب جینا دو بھر کرتے ہیں یہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں آتا، ایسا لگتا ہے کہ موجودہ حکمران تو بجلی، پانی، گیس، پٹرول کے نرخوں اور ٹیکسز کی بھر مار سے اپنی عیاشیاں اور موجیں کر رہی ہیں، حکمرانوں کی طرف سے کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا کہ یہ قرض پہ چل رہے ہیں، غریب عوام کے یوٹیلٹی بلز میں لاتعداد ٹیکسز اور بھاری بلوں سے آنے والی آمدنی سے مال بنا رہے ہیں، آئے روز غیر ملی دورے ہو رہے ہیں، وزراء کی فوج ظفر موج لگی ہے، امراء کی امارت اور غریب کی غربت میں فاصلے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اس سے پہلے کسی نے سوچے نا دیکھے، اب تو ایسا لگتا ہے کہ غریب ہونا اس ملک میں واقعی ایک بہت بڑا جرم ہے، ملک اور اس کے تمام ادارے مخصوص ہاتھوں میں یرغمال ہونے کے باعث، سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ لوگوں کی امید ٹوٹ چکی ہے، مہنگائی اک ایشو ہے جس پہ سیاسی و قومی جماعتوں کو عوام کو باہر نکالنا چاہیے اور حکمرانوں کی طنابیں کھینچنی چاہیے مگر جو سسٹم لایا گیا گیا ہے اس میں کسی کو اس کی پرواہ نہیں، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور جوڑ توڑ، نیز ترجیحات میں عوامی فلاح کی کوئی شکل و صورت دکھائی نہیں دیتی، اصل میں تو سیاست کے بازار میں ہونے والے کھلواڑ کہیں بھی تبدیلی یا بہتری کی امید کا دم توڑ اجانا اس ہائبرڈ نظام لانے والوں نے کامیابی سے یہ مقصد حاصل کیا، مطلب لوگوں کو اس قدر مایوس کر دیا گیا ہے کہ لوگ اب زندہ درگور ہونے کے باوجود باہر نکلنے کیلئے تیار نہیں ہونگے، لوگوں کو اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ اب کسی بھی بڑے سے بڑے مسئلے کیلئے کسی بھی سیاستدان یا پارٹی کی کال پہ باہر نکلنا ایک دیوانے کے خواب کی مانند ہو چکا ہے، کیا یہ جمہوریت کیلئے، اس ملک اور عوام کیلئے زہر قاتل کی صورتحال نہیں کہ عوام لاتعلق ہو چکے ہیں، عوام کی اپنے ہی مسائل کیلئے، ملکی اہم ایشوز کیلئے، حتی عالم اسلام کے سلگتے مسائل کیلئے بھی حد درجہ لاتعلقی اور نظر انداز کرنے کی صورت حال، عدم دلچسپی مستقبل کیلئے کسی بھی

طور نادرست اور خطرناک ہے۔

غریبوں پر تو موسم بھی حکومت کرتے رہتے ہیں
کبھی بارش کبھی گرمی کبھی ٹھنڈک کا قبضہ ہے

آپ پاکستان کے عام عوام سے بات کر کے دیکھ لیں، یا ان کے حالات سے یہاں رہنے والے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ خود بھی ایسے حالات کو بھگت رہے ہوتے ہیں تو آپ جان جاتے ہیں کہ لوگ کس قدر مشکلات کا شکار ہیں، معاشرے کی تقسیم کے لحاظ سے عوام کے کئی طبقات ہیں، جن میں مزدور، روزانہ اجرت پہ کام کرنے والے، جنہیں دیہاڑی دار بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ روزانہ مزدوری کی تلاش میں گھر سے باہر جاتے ہیں کسی بھی قسم کی مزدوری کر کے شام تک اپنا اور فیملی کا رزق لانے کی تگ و دو میں جڑے ہوتے ہیں، تنخواہ دار طبقہ ان میں دو طبقات لگا لیں ایک سرکاری اداروں میں تنخواہ دار، دوسرے پرائیویٹ کمپنیز، بزنس کارپوریٹ میں تنخواہ دار، فیکٹریوں اور اداروں میں تنخواہ یعنی ماہانہ اجرت پہ کام کرنے والے، معمولی ورکرز اور اچھی تنخواہوں کے حامل لوگ، ان تنخواہ داروں میں دو مزید کیٹیگریز بن جاتی ہیں ایک وہ جنہیں فقط ماہانہ اجرت ملتی ہے کسی قسم کی دیگر مراعات حاصل نہیں ہوتیں، جیسے سرکاری اداروں اور بعض بڑے کارخانوں میں بونس، سالانہ اضافہ، رہائش کی سہولت، بچوں کی تعلیم وصحت میں مدد، ریٹائرڈ ہونے پہ ایک بڑی رقم اور سرکاری پنشن کا نظام، یہ سب کے سب جو تنخواہ دار لوگ ہوتے ہیں مہینے کی بیس تاریخ کے بعد ادھار پہ چل رہے ہوتے ہیں، یہ ہمیشہ مقروض رہ کے گذارا کرتے ہیں، تنخواہ پہ وعدے کر کے نظام چلا رہے ہوتے ہیں، ان سب میں سے کسی کے بچے کی فیس اسے مجبور کرتی ہے، اگر گھر کا ایک فرد بھی مہینے میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑ جائے تو اسے ملک، ملت، مہنگی بجلی و گیس کی لوٹ مار پہ احتجاج کیسے یاد رہے گا، ممکن ہی نہیں، ایسے طبقات کیلئے ایک دن کے احتجاج کی امید رکھنا ہی فضول وعبث ہے، یہ معاشرے کے پسے ہوئے، مظلوم ومقہور لوگ ہر روز کسی معجزے سے حالات کی تبدیلی کے خواب دیکھتے عمریں گذار دیتے ہیں، ان میں سے کسی کے حالات اس دن پلٹتے ہیں جب ان میں سے کسی کی اولاد پڑھ لکھ جائے، کسی اچھی نوکری کو حاصل کر لے اور والدین و فیملی کا سہارا بن جائے، زندگی ایسے ہی چلتی ہے یہاں، نظام زندگی ایسے ہی دھکیلتا ہے۔

کس طرح مہنگائی پیتی ہے جوانی کا لہو
مفلسی معصوم بچپن سے چرا لیتی ہے نور

یہ ایک معمولی سی تصویر کشی ہے ہمارے معاشرے کی، ورنہ درد اس سے کہیں بڑے ہیں، دکھ راستوں میں پہاڑوں کی مانند کھڑے ہیں، تکالیف کا ناختم ہونے والا سلسلہ ہر لحظہ خوف و دہشت اور ناامیدی کا شکار کرتا ہے اور ہم اس کا شکار ہوتے ہیں، لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں، ملک کے کرتا دھرتا، سیاسی مداری، مذہبی بیوپاری، سماجی لٹیرے، عسکری گدھیں لوگوں کی اسی حالت کا فائدہ اٹھا کے، مجبور ولاچار و بےبس و ناامید کر کے اپنا اپنا حصہ سمیٹ رہے ہیں، اب تو ایسی ملی بھگت چل رہی ہے جس میں منافقت اور ڈھٹائی عروج پہ ہیں، اس ہائبرڈ نظام میں ناامیدی، انصاف کی فراہمی کی ناامیدی، پارلیمنٹ میں نمائندے بھیج کے ملکی مسائل حل کروانے سے ناامیدی و بےتوقیری، بڑی سیاسی پارٹیوں کی اقتدار کی بھوک مٹانے کیلئے عسکری دروازوں پہ بھیک مانگنے کے شرمناک مناظر نے لوگوں کو لاتعلق کر دیا ہے، لہذا ہم جو امید پرست ہیں ان کی امید یہی ہے کہ اسی مٹی سے سونا اگلے گا، اسی مٹی سے فرزند نکلیں گے جو ایک دن اس سارے گند کو نکال باہر کریں گے، ہمارے آس پاس، نزدیکی ممالک میں حالیہ مہینوں میں بہت سی تبدیلیوں نے امید پرستوں کو حوصلہ دیا ہے، آج نہیں تو کل نہیں تو پرسوں وہ دن ضرور آئے گا جب ارض پاک پہ اس کے قیام کے مقاصد اور بانی پاکستان کے ویژن کے مطابق ایوانوں میں موجود ہونگے۔

افغانستان کیساتھ مسلسل کشیدگی اور دہشت گردی

پاکستان اور افغانستان کے ساتھ مسلسل کشیدگی، سرحدی جھڑپیں اب معمول کا حصہ بن چکی ہیں، پاک افغان طویل بارڈر رکھتے ہیں جن میں کئی ایک مقامات پہ راہداریاں اور گیٹ قائم ہیں جہاں سے لوگوں کی آمد و رفت وتجارتی مال برداری ہوتی ہے، مگر اس کیساتھ ساتھ صوبہ کے پی اور بلوچستان کی طرف سرحدی دیہاتوں میں دونوں اطراف کے خاندان منقسم ہیں جو آپس میں رشتہ دار ہیں، بعض مقامات پہ ملکیت کے عنوان

سے دونوں طرف کے اعلیٰ حکام کے دعوے بھی ہیں جو جھڑپوں کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔ پاکستان اور افغانستان دو ایسے ہمسائے برادر ممالک ہیں جن کے مفادات ایک دوسرے سے جڑے ہیں، پاکستان نے افغانستان کو جتنا سپورٹ و مدد دی ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی حتی ان برسوں میں جبن بہ ظاہر پاکستان مخالف کہے جانے والے شمالی اتحاد کی حکومت تھی، جن سے پاکستان کی کبھی بھی نہیں بنی، ان کی حکومتوں میں بھی پاکستان نے افغانستان کی تجارتی راہداری کو بند نہیں کیا، بلکہ ہندوستان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات میں شدید کشیدگی میں بھی پاکستان نے افغانستان کو یہ سہولت برقرار رکھی ہے، موجودہ طالبان رجیم کے بارے تو اہل افغانستان بھی یہی کہتے تھے کہ یہ پاکستانی ایجنسیز کے لوگ ہیں جو کابل پہ برسراقتدار ہیں، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ رجیم پاکستان کو نا صرف آنکھیں دکھاتی ہے، آئے روز بارڈرز پہ جنگی ماحول بناتے ہیں اور مسلسل جھڑپوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اس سے بڑھ کے اٹک پل تک ملکیت کے جاہلانہ اور بے تکے مطالبات بھی دہراتے ہیں، جب سے طالبان نے پاکستان کیساتھ جنگی ماحول بنایا ہے، سرحدوں پہ کشیدگی، پاکستان میں کئی شہروں میں بم دھماکے، خودکش حملے اور سابق قبائیلی ایریاز میں طالبنائزیشن کی کاروائیاں، بھتہ خوری، سیکیورٹی فورسز پہ حملے بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں، ان حملوں کے مجرم واضح طور پہ افغانستانی اور وہاں موجود فتنہ الخوارج طالبان گروہ ہیں جنہیں موجودہ حکومت کی مکمل مدد، سرپرستی و سپورٹ حاصل ہے .,پاکستان میں دہشت گردی کرنے والے بہت سے تخریب کاروں کی شناخت سامنے آچکی ہے اوران کا تعلق افغان شہریوں کے طور پہ شناخت میں لایا جاچکا ہے، اس کے باوجود افغان طالبان پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا کرنے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں، افغان طالبان سے حکومت پاکستان کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کے مجرموں وتخریب کاروں کو ان کے حوالے کریں، ان کی سہولت کاری ختم کریں، جب تک ایسا نہیں کریں گے خطہ میں بدامنی کے بادل منڈلاتے رہیں گے جو دونوں ممالک کیساتھ دیگر ہمسایوں کیلئے بھی نقصان کا باعث ہوگا۔

حقیقت یہ ہے پاکستان میں طالابان اپنی کاروائیاں کرنے میں بھرپور سہولت کاری رکھتے ہیں، ان کے ہم فکر مدارس و مکاتب کی بہت بڑی تعداد یہ سہولت فراہم کرتی ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں دہشت گردی کی روک تھام مشکل ہو جاتی ہے، یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ طالبان رجیم کس کے پیسے سے چل رہی ہے، اور کون ان کی سرپرستی کررہا ہے۔

پاک افغان کشیدگی کو ختم کروانے کیلئے قطر، ترکیہ، ایران، سعودیہ بھی اپنے تئیں کوششیں کر چکے ہیں مگر طالبان کے دماغوں میں ایک زعم موجود ہے کہ انہوں نے روس کو شکست دی ہے، امریکہ کو نکلنے پہ مجبور کیا ہے، پاکستان ان عالمی طاقتوں کے مقابل کچھ بھی نہیں ہے، یہ غلط فہمی شاید چند گھنٹوں میں دور ہوسکتی ہے اگر پاک فوج فیصلہ کر لے تو، مگر ابھی تک سیدھی انگلی سے نکالنے کی کوششیں کی جارہی ہیں جب جہلاء کو انہیں کی زبان میں جواب دینے کا فیصلہ کیا گیا تو دیر نہیں لگے گی، روس وامریکہ کیساتھ لڑائی میں پاکستان ہی تو تھا جس نے سب کو سنبھالا، چالیس لاکھ سے زیادہ تو عام افغانستانی تھے جن کی بڑی تعداد اب بھی پاکستان مین مقیم ہیں، جتنی افغان قیادت اس وقت اعلی حکومتی عہدوں پہ فائز ہیں ان میں سے کون تھا جو ہندوستان میں رہ رہا تھا، یا ترکی، یا قطر میں رہتا تھا، سب پاکستان میں ہی مقیم تھے، لہذا افغانی طالبان کو اپنے رویے میں مثبت تبدیلی لانی چاہیے، اور خطے کو کسی نئی جنگ اور بدتر صورتحال میں جانے سے روکنا چاہیے، اسی میں سب کی بھلائی ہوشاید۔

اسلامی نظام اور اسلام کے نام پہ لوگوں کو بے وقوف نہیں بنائیں، بلکہ پاکستان کے اپنے ہی ہم مکتب کے جید اساتذہ وعلما ومفتیان کے مشوروں کو بھی ردی کی ٹوکری کی نظر نہیں کریں۔

افغانستان کے عام عوام کو بھی سکھ کا سانس لینے دیں جو گزشتہ پانچ دہائیوں سے مسلسل بربادی وتباہی اور آگ وخون کے دریا عبور کرتے تھک چکے ہیں، اپنی کتنی نسلیں ایسے ہی ماحول کی نظر کرنے والے عام افغانستانی کیساتھ ہمیں ہمدردی ہے، طالبان رجیم کو بھی ان سے ہمدردی کرنا چاہیے اور جنگ جدل، فسات وفتنہ کی راہ چھوڑ کے فتنہ الخوارج کے دہشت گردوں کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالینا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

خاتونِ جنت جناب سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

ولادت باسعادت کی مناسبت سے خصوصی تحریر

ارشاد حسین ناصر

خاتم الانبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی حیات طیبہ کے سخت ترین مراحل اور ادوار کو طے فرما رہے تھے۔ جہالت و گمراہی کے اس عروج کے دور میں جب لڑکی کا باپ ہونا ذلت سمجھا جاتا تھا، خانہ اطہر محبوب خدا میں سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ پیغام دے دیا کہ یہ پاک دختر جاہلانہ بدوی نظام میں بہت بڑا انقلاب و تبدیلی کا استعارہ ہے۔

گلستان رسالت و نبوت کے اس پھول کا نام فاطمہ سلام اللہ علیہا، مشہور ترین لقب زہرا سلام اللہ علیہا اور کنیت اُم ابیہا تھی۔ اہل بیت عصمت و طہارت کی روایات کی بنیاد پر آپ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال 20 جمادی الثانی، بروز جمعہ مکہ معظّمہ میں ہوئی۔

آپ سلام اللہ علیہا جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا بنت خویلد کے بطن سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد لاڈلی و پیاری بیٹی تھیں۔ جن کی نسل پاک سے باپ کے نام اور کام کی بقا رہی اور شاید اسی مناسبت سے آپ کی وہ کنیت ہوئی جس کے معنی ہیں اپنے ''باپ کی ماں''، یعنی وہ خاتون جو اپنے باپ کی زندگی کو پروان چڑھانے کا سبب ہوئی۔ اب جناب سیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام اور ان کے نام کی وارث ہیں۔ اپنے باپ کی نسلی اور فکری وراثت کا بار انہی کے کاندھوں پر تھا۔ یہ واقعہ تو آپ نے سنا ہی ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ولادت کے وقت شہر کی خواتین حضرت خدیجہ علیہا السلام کی مدد کیلئے نہیں آئی تھیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ کفار سے مقابلہ کر رہے تھے تو اس وقت کفار مکہ نے آپ کا ہر طرح سے بائیکاٹ کیا ہوا تھا اور ہر قسم کے رابطے اور تعلقات کو بالکل قطع کر دیا تھا تاکہ اس کے ذریعے رسول خداؐ پر دباؤ ڈالا جاسکے۔ یہ وہ مقام تھا کہ جہاں حضرت خدیجہ علیہا السلام جیسی فداکار اور ایثار کرنے والی عورت نے استقامت دکھائی۔ آپ اپنے شوہر حضرت ختمی مرتبت کی دلجوئی فرماتیں اور اس کے بعد گھر میں اپنی بیٹی کی دیکھ بھال اور تربیت کرتیں۔ جب یہ دختر نیک اختر بڑی ہوئی اور پانچ چھ سال کی عمر کو پہنچی تو شعب ابی طالب کا واقعہ پیش آیا۔ آپ نے اس کوہستانی وادی کی گرمی، بھوک، سختی، دباؤ اور غریب الوطنی کی مشکلات کو اس وقت تحمل کیا کہ جب سب نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ شعب ابی طالب میں آفتاب کی تمازت سے دھکنے والے دن، سرد راتیں اور اس علاقے کی شب و روز میں ناقابل تحمل آب و ہوا، ان دشوار حالات میں بچے بھوکے پیٹوں اور تشنہ لبوں کے ساتھ ان افراد کے سامنے تڑپتے رہتے تھے۔ سختی اور مشکلات کے یہ تین سال کہ رسول اکرمؐ نے مکہ سے باہر بیابان میں اِسی طرح گزارے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو جانتے تھے کہ میری لختِ جگر کو خدا نے کسی عظیم انقلاب کا مظہر بنایا ہے اور جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا بھی اس بات کا پورا شعور رکھتی تھیں کہ اس انقلاب میں ان کی حیثیت کیا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس دُختر سے جس طرح پیش آتے تھے ان کی مدح و ستائش میں انہوں نے جو باتیں کی ہیں اور ان کے ساتھ عزت و احترام کا جو رویہ رکھا وہ سب باتیں تعجب خیز ہیں۔

اسلام کی یہ بزرگوار خاتون اور معزز ترین ہستی بہ عنوان ایک دُختر یعنی دُختر پیغمبر ہونے کے عفت و قناعت و تقویٰ کا نمونہ ہیں اور بہ عنوان ایک زوجہ یعنی زوجہ امام علی علیہ السلام کے ایک روشن اور واضح صبر کی خوگر اور زحمت کش زوجہ ہیں اور بعنوان ماں یعنی مادر حسنین علیہم السلام و زینب و اُم کلثوم سلام اللہ علیہما ہونے کے دین کے بیباک مجاہد انسانوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش کنندہ نیز انسانی معاشرہ کی رہنمائی و رہبری پر قدرت رکھنے والی ہیں۔ المختصر دختر نبی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ایک عقلمند، زیرک،، خوداعتماد و دلیر مجاہدہ ہیں۔ وہ ایک خرومند مصلح اور مردوں کی شان، عورت کا نمونہ کامل شمار ہوسکتی ہیں۔

بدوی قبائل میں عورت کے ننگ و عار ہونے کے خیال کو قبیلہ کے متعصب مردوں کے دماغوں اور ذہنوں سے دھو سکتی ہیں اور ثابت کر سکتی ہیں کہ عورت و مرد کے درمیان سوائے تقویٰ و پرہیز گاری کے اور کوئی مخصوص امتیاز اور واضح فرق وجود نہیں رکھتا تاکہ دُنیا والوں کو یہ بتائیں کہ اسلامی معاشرہ کے درستی و اصلاح اور امور زندگی کو آگے بڑھانے میں عورتوں کا کردار بھی ویسا ہی موثر و نافذ العمل ہے۔ جیسا مردوں کا، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا وہ بزرگ و عالی قدر خاتون تھیں جو اپنی حیات میں نئی قدروں کی موجد بنیں۔ اور اپنی وفات کے بعد بہت سے جدید معیار زندگی اسلامی معاشرہ کو بخشے۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا جو احترام و تکریم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے وہ عورت ہی کی شخصیت کے احترام کی ایک قسم تھی۔ وہ مخلوق جو سالہا سال بلکہ صدیوں سے عرب معاشرہ میں بے وقعتی و مظلومیت کی حالت میں زندگی گزار رہی تھی اور قریب تھا کہ اس کے فنا و زوال کا زمانہ اپنی

انتہاء کو پہنچ جائے۔ وہی مخلوق گھر کی فضا سے اور عزت و عظمت بخش تعلیم گاہ کے پاک و پاکیزہ اور اپنی رفعت و مہربانی سے سرشار مرکز اسلامی کی تعلیمات و تربیت کی برکت کے اس اعلیٰ منزل پر پہنچ گئی کہ اپنی آغوش میں حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام جیسے فرزندوں اور زینب و اُم کلثوم سلام اللہ علیہما جیسی خواتین کی پرورش کرے اور ایمان و تقویٰ میں اسلام کے نو بنیاد انقلاب کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے کام میں بھرپور ساتھ اور اپنے شوہر نامدار و فداکار کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھتی جائے۔ یہاں تک کہ اپنی اس مسئولیت و ذمہ داری کی ادائیگی کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دے۔

جناب سیّدہ پیغمبر اکرمؐ کی غربت اور تنہائی کی ہمدم رنج و غم میں ان کے لیے باعث تسکین و تسلی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ان کی تبلیغی مہم میں شریک رہیں۔ سیّدہ کا بچپن اپنے والد بزرگوار کو اس ناگوار ماحول میں دیکھتے گزرا جو پیامِ توحید پہنچانے اور پھر حضرت ابو طالب علیہ السلام اور جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد درپیش تھا۔

سیّدہ اکثر اپنے باپ کے سر مبارک پر اشاعت حق کے جرم میں کوڑا کرکٹ پھینکا جانا اور ان کے جسم مبارک کو پتھروں سے لہولہان دیکھتی تھیں او ایک روز جناب معصومہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ ان کے پدر بزرگوار مسجد میں یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانور کی اوجڑی گرا دی گئی۔ جناب سیّدہ نے اوجڑی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک جسم سے الگ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم دُختر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عمر آٹھ برس کی تھی جب کافروں نے اکٹھے ہو کر یہ پروگرام بنایا کہ شب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ اس ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ اس ارادہ سے کہ جونہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے ارادہ سے گھر سے باہر نکلیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے گھیراؤ سے بچ نکلے اور مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بستر پر اپنے چچا زاد علی علیہ السلام کو سلا دیا۔ اس وقت جناب فاطمہ بنت است والدہ محترمہ علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ السلام اور دُخترِ نبی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا مکان کے اندر موجود تھیں۔

اس وقت سیّدہ فاطمہ کی عمر آٹھ برس تھی۔ یقیناً آپ کی زندگی کا بڑا امتحان تھا۔ اپنے گھر کے گرد خون کے پیاسے دُشمنوں اور ان کی کھینچی ہوئی تلواروں کا گھیرا تھا۔ جس سے گھر میں رہ جانے والے سب ہی افراد پر ظاہری اسباب کے لحاظ سے دہشت پیدا ہونا چاہیے تھی۔ اور ادھر باپ کی جدائی کا صدمہ بھی تھا۔ مگر سیّدہ نے اس کم سنی میں اس مرحلہ کو صبر و استقلال سے طے کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے چند روز بعد حضرت علی علیہ السلام نے چند محملوں پر خواتین کو ہمراہ لے کر مدینہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ میں جب سیّدہ سن بلوغ کو پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی اصحاب مجسم خلق عظیم رسول کی بارگاہ میں ہر ایک عرض تمنا کے لیے آنے لگا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔

خدا اور رسولؐ کے نزدیک فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ شادی کے لیے صرف ایک فرد موزوں تھا۔ جواب تک خاموش تھا۔ یہ علی علیہ السلام کی ذات تھی۔

سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا آج کی خواتین کے لیے نمونہ کامل ہیں۔ زندگی کا سب سے پہلا سبق جو فاطمہ زہرا طاہرہ سلام اللہ علیہا کے مکتب سے لیا جا سکتا ہے۔ وہ شوہر گذینی اور شوہر کے انتخاب کا واقعی معیار ہے، قریش کے دولتمند افراد اور اشراف نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی خواستگاری کی، یہ لوگ مالی قدرت و کمیت اور اجتماعی وقعت کی بہت بلند سطح کے لوگ تھے، لیکن فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السلام کے ایک دلیر مجاہد و جان نثار کے عنوان پر ترجیح دی۔

زندگی کا دوسرا سبق اسلام کی مثالی خاتون کے مہر کی کمی ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ کی مشہور ترین سند یہ ہے کہ جناب علی علیہ السلام نے اپنی زرہ کو صدیقہ طاہر کا مہر قرار دیا۔ جس کی قیمت چار سو اسی درہم تھی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''میری اُمت کی بہترین عورتیں وہ ہیں جو خوبصورت ہوں اور جن کے مہر کم ہوں۔'' (وافی کتاب نکاح، ص۔ ۱۵)

تیسرا سبق جو سیّدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی زندگی سے سیکھا جا سکتا ہے وہ مختصر سا جہیز ہے جو سیّدہ فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا اپنے ساتھ شوہر کے گھر لے کر گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فضائل و مناقب کا ایک انبار اور خلوص و محبت کے جہیزوں کی ایک دُنیا بھی لے کر جا رہی تھیں۔

اسی طرح سیّدہ عالم نے نہ صرف اقوام سے بلکہ اپنی سیرت سے بھی خواتین کو پردہ کا درس دیا۔ آپ کا مکان مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باہر بالکل متصل تھا لیکن آپ برقعہ و چادر میں نہاں ہو کر بھی اپنے والد بزرگوار کے پیچھے نماز جماعت میں شرکت یا آپ کے موعظہ کے سننے کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائیں۔ بلکہ اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام سے جب وہ مسجد سے واپس آتے تھے اکثر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کے مضامین سن لیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر سوال پیش کر دیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ یہ بات سیّدہ تک پہنچی تو آپ نے جواب دیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ نہ اس کی نظر غیر مرد پر پڑے اور نہ ہی کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ جواب پیش ہوا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیوں نہ ہو، فاطمہ میرا ہی ایک جزو ہے۔'' جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر جاتے تو آخر پر جناب سیّدہ کے گھر جا کر جناب فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کی خیریت دریافت فرماتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے خانہ بتول پر جا کر سیّدہ سے پیار کرتے اور ان کی خیریت دریافت فرماتے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپ سے محبت اور پیار کی علامت ہے۔

جب سیدہ سلام اللہ علیہا درِ رسول ﷺ پر تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہوکر جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کا استقبال فرماتے۔ آپ کی پیشانی کو بوسہ دیتے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تمام دُنیا کی عورتوں میں چار عورتیں سب سے افضل ہیں۔ مریم علیہ السلام، آسیہ علیہ السلام، خدیجہ علیہ السلام، فاطمہ علیہ السلام، اللہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خوشنودی سے خوش اور اس کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ ''فاطمہ میرا پارۂ تن ہے۔ جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو ناراض کیا۔''

نبی معظم و مکرم ﷺ سب کے سامنے کھڑے ہوکر جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کا استقبال فرماتے اور ان کے ہاتھوں اور چہرہ کو بوسہ دیتے۔ کیوں؟ اس لیے تاکہ لوگ جان لیں کہ مجھے فاطمہ کتنی عزیز ہے۔ آپ باربار قبر بتول پر جاکر اس خانوادہ سے اپنی روحانی اور جذباتی تعلق کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ ستائش، یہ اظہارِ محبت، یہ دوستی کا ذکر اس کے ساتھ یہ تاکید کہ ان کی دوستی خدا کی دوستی اور رسول سے دوستی اور ان کی دشمنی خدا اور رسول سے دشمنی ہے۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر چاروں طرف خوش بختی، افتخار اور کرامت کا ایک نورانی ہالہ ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے پدر بزرگوار کی ناقابل بیاں محبت اور اپنی بے مثال عظمت اور اپنے بچوں کی زندگی بخش محبت کی نعمتوں اور راحتوں سے سرشار، پُرمسرت اور پُرافتخار زندگی گزار رہی ہیں۔ کہ ایسی زندگی جو ہر طرح کے اضطراب و انتشار سے بے نیاز ہے۔ جہاں ہر رُخ سے چین ہے۔ آرام ہے، راحت ہے، مسرت ہے، جہاں قلب بھی مطمئن ہے اور روح بھی سرور ہے۔ مگر یہ ساری مسرت اطمینان و سکون کا یہ دور ایک طوفان سے پہلے کا مختصر سا وقفہ ہے۔ بہت جلد ان کی زندگی، طوفان کی لپیٹ میں آگئی۔ سیاہ ہولناک طوفاں جوان کے آشیانہ کو برباد اور ان کے گھر کو ویران کرنے والا تھا۔

حضور ﷺ کا سر مبارک علی علیہ السلام کی آغوش میں ہے۔ ان کے لب خاموش ہیں۔ مگر ان کی آنکھیں اپنی بیٹی سے گفتگو کر رہی ہیں۔ یہ نگاہیں کہہ رہی ہیں کہ ان کا دل اپنی بیٹی کے غم میں جل رہا ہے۔ یہ بیٹی وہ ہے جو اپنے باپ کو بہت محبوب ہے۔ جناب سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا حضور ﷺ کے لبوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں فاطمہ! کیا اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم اس اُمت کی عورتوں کی سردار ہو اور نبی معظم اپنی لخت جگر کو صبر کی تاکید فرماتے ہیں۔ ان مصائب پر جو آپ نے وفات نبی ﷺ کے بعد جھیلنے ہوں گے۔

بعث کے ۲۳ برس اور ہجرت کے دس برس بعد جب فاطمہ زہرا اٹھارہ برس کی تھیں۔ آپ کے شفیق اور عزت کرنے والے قدردان باپ نے دُنیا سے رحلت فرمائی، اس صدمہ کا اثر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اتنا اثر لیا جتنا کسی بیٹے نے کبھی اپنے باپ کی وفات کا اثر نہ لیا ہو۔

پیغمبر اکرم و نجات دہندۂ عالم بشریت کی وفات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ جزیرہ نما عربستان کی جلا دینے والی گرم ہوائیں پرچموں کے بادبانوں کو لہرا رہی تھیں اور ان چند دنوں میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے پدر مہربان سے جدائی کے غم میں جنہوں نے ایک دفعہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنا ٹکڑا فرمایا اور پھر نور چشم اور اُم ابیھا کے لفظوں سے یاد فرمایا، تڑپ رہی تھیں، کبھی راتوں سے شام سے صبح تک اشک ریزی اور فریاد کرتی تھیں۔ ''مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہو جاتے۔''

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے طبقہ خواتین کے لیے پردہ کی یادگار اہمیت اس وقت بھی قائم کی جب آپ دُنیا سے رُخصت ہونے والی تھیں۔ اس طرح کہ آپ ایک دن غیر معمولی طور پر فکرمند نظر آئیں۔

آپ کی چچی (جعفر طیار رضی اللہ کی بیوہ) اسماء بنت عمیس نے سبب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ اُٹھانے کا یہ دستور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ عورت کی میت کو بھی تختہ پر اُٹھایا جاتا ہے۔ جس سے اس کا قد و قامت نظر آتا ہے۔ اسماء نے کہا میں نے ملک حبشہ میں ایک طریقہ جنازہ اُٹھانے کا دیکھا ہے۔ وہ غالباً آپ کو پسند آئے۔ اس کے بعد انہوں نے تابوت کی ایک شکل بنا کر دکھائی۔ اس پر سیّدہ عالم بہت خوش ہوئیں۔ اور پیغمبر کے بعد صرف یہ ایک موقع ایسا تھا کہ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ چنانچہ آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کو اس طرح کے تابوت میں اُٹھایا جائے۔ مورخین تصریح کرتے ہیں کہ سب سے پہلی لاش جو تابوت میں اُٹھی ہے۔ وہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ آپ کا جنازہ پردہ شب میں اُٹھایا جائے اور لوگوں کو اطلاع نہ دی جائے جن کے طرز عمل سے آپ کا دل رنجیدہ ہوتا تھا اور جن سے انتہائی ناراضگی کے عالم میں آپ دُنیا سے رُخصت ہوئیں۔

آخر کائنات کی یہ عظیم ہستی سیدہ عالم نے اپنے والد بزرگوار رسول ﷺ کی وفات کے تین ماہ بعد تیسری جمادی الثانی ۱۱ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ رات کو اُٹھایا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ صرف بنی ہاشم اور سلیمان و مقداد و عمار ایسے مخلصین کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اور خاموشی کے ساتھ دفن کر دیا۔ جس وقت بنت پیغمبر ﷺ کی رحلت کی خبر جزیرہ نمائے عربستان میں پھیلی تو عرب کے مختلف قبائل نے افسوس کے ساتھ یہ جملہ کہا۔

''محمد ﷺ کی بولنے والی خاموش ہوگئی۔''

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عقیدت کا اظہا یوں کیا تھا۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

☆☆☆☆☆

ناجائز ریاست اسرائیل کے جنگی جنون کا نتیجہ

مہنگائی، قرض، جمود، معکوس ہجرت، عدم اطمینان اور مایوسی

اکتوبر 2023 میں غزہ پر تباہ کن جنگ کے آغاز کے بعد سے اسرائیل کی معیشت شدید بحران میں داخل ہوچکی ہے۔ دو سالہ جھڑپوں، مسلسل بمباری اور علاقائی کشیدگی نے اس رژیم کی سیاحت، ٹیکنالوجی اور زراعت کی صنعت کو مفلوج کر دیا ہے اور فوجی اخراجات 68 ارب ڈالر تک پہنچا دیے ہیں۔ اکتوبر 2023 سے جب غزہ کی تباہ کن جنگ شروع ہوئی اور تیزی سے لبنان کے ساتھ شمالی سرحدوں تک پھیل گئی، اسرائیل کی معیشت ایک گہرے بحران کے دور میں داخل ہوگئی ہے۔ یہ دو سالہ جنگ، جو وسیع فوجی حملوں، مسلسل بمباری اور علاقائی کشیدگی کے ساتھ جاری رہی، نہ صرف ہزاروں جانیں لے چکی ہے بلکہ اس رژیم کی اقتصادی بنیادوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ جنگ جسے تل ابیب نے اپنی ڈیٹیرنس کی بحالی کے لیے شروع کیا تھا، آج اسی رژیم کو ایک ''باغی ریاست'' کی شکل میں دوبارہ متعارف کروا رہی ہے؛ ایسی ریاست جو بین الاقوامی قوانین کو پامال کرتی ہے اور جو اب خود اسی ہتھیار سے یعنی معیشت کے ذریعے خطرے میں ہے جسے وہ ہمیشہ دوسروں کے خلاف استعمال کرتی تھی۔ بینک آف اسرائیل کی سرکاری رپورٹوں کے مطابق، نومبر 2025 تک جنگ کے براہِ راست اخراجات 68 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکے ہیں، جو اس رژیم کے مجموعی قومی پیداوار (GDP) کے تقریباً 12 فیصد کے برابر ہے۔ البتہ یہ رقم محض پہاڑ کی چوٹی ہے؛ غیر مستقیم اثرات جیسے سرمایہ کاری میں کمی، دماغی صلاحیتوں کا انخلا اور سپلائی چین کی خرابی نے اسرائیل کی معیشت کو طویل مدت کے جمود کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اخراجات اور دفاعی بجٹسب سے نمایاں نقصانات میں سے ایک فوجی اخراجات میں بے تحاشا اضافہ ہے۔ بینک آف اسرائیل کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، جنگ کے آغاز سے دسمبر 2025 تک جنگی اخراجات تقریباً 68 ارب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں۔ اس رقم میں براہِ راست اخراجات شامل ہیں، جیسے گولہ بارود، آلات کی مرمت اور ریزروفورسز کی تنخواہیں۔ بینک آف اسرائیل کا تخمینہ ہے کہ 2025 کے اختتام تک جنگ کی مجموعی لاگت تقریباً 68 ارب ڈالر تک پہنچے گی، تاہم طویل المیعاد اثرات کو دیکھتے ہوئے یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل کی وزارتِ جنگ نے اعلان کیا ہے کہ 2025 اور 2026 کے لیے دفاعی بجٹ میں 20 ارب ڈالر سے زیادہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، 3 لاکھ 60 ہزار سے زائد ریزروفوجیوں کی طلبی نے معیشت کو مفلوج کر دیا ہے۔ ان میں سے بہت سے افراد ٹیکنالوجی اور خدمات جیسے اہم شعبوں میں کام کر رہے تھے اور ان کی غیر موجودگی نے پیداوار کو روک دیا ہے۔ بینک آف اسرائیل کے چیف ماہرِ اقتصادیات امیر یارون نے

29 ستمبر 2025 کی ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا: "غزہ اور لبنان کی جنگوں نے بجٹ خسارے کو بے مثال سطح تک پہنچا دیا ہے اور اس سال کی اقتصادی ترقی کو 2.5 فیصد تک گرا دیا ہے۔" رپورٹوں کے مطابق اس اضافی دفاعی بجٹ نے بجٹ خسارے کو GDP کے 7 فیصد سے بھی زیادہ کر دیا ہے اور ٹیکس دہندگان پر دباؤ مزید بڑھا دیا ہے، جس کی تلافی کے لیے کئی سال کی بچت درکار ہوگی۔ گزشتہ جمعہ کابینۂ اسرائیل نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس رژیم کے

دفاعی بجٹ میں آئندہ 10 سالوں کے لیے 350 ارب شیکل (107 ارب ڈالر) کا اضافہ کیا جائے گا۔ یہ اضافہ جنگ سے پہلے کے دفاعی بجٹ کے مقابلے میں تقریباً 70 فیصد زیادہ ہے اور اس کے اقتصادی اور عسکری اثرات پر کئی سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ سرکاری تخمینوں کے مطابق اس فیصلے سے اسرائیل کے فوجی اخراجات جنگ سے پہلے کے مقابلے میں 70 فیصد سے زیادہ بڑھ جائیں گے؛ ایسا اضافہ جس سے دفاعی بجٹ اور مجموعی قومی پیداوار (GDP) کے تناسب کے لحاظ سے اسرائیل دنیا میں یوکرین کے بعد دوسرے نمبر پر آ جاتا ہے۔ اسرائیلی معاشرے میں فوجی اخراجات میں اضافے کے براہِ راست نتائج ماہرینِ معاشیات کا کہنا ہے کہ فوجی اور سکیورٹی شعبوں کے لیے نئے بجٹ مختص کرنے سے اسرائیل کی اقتصادی ساخت اور سماجی حالات پر فوری اور سنگین اثرات پڑیں گے۔ یہ اثرات واضح طور پر چار بنیادی پہلوؤں میں نمایاں ہوتے ہیں:

- ٹیکسوں میں اضافہ اور شہری خدمات میں کمی مالی اداروں کے اندازوں کے مطابق دفاعی بجٹ میں اضافہ سماجی اور عمرانی خدمات میں کمی کے مترادف ہے۔ تعلیم، صحت اور بنیادی ڈھانچے جیسے شعبے سب سے پہلے وسائل کی کمی کا سامنا کریں گے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ جنگی اخراجات کی تلافی کے لیے حکومت کو ناگزیر طور پر ٹیکس بڑھانے پڑیں گے۔
- سماجی خلیج میں شدت سرکاری رپورٹس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل کی ایک چوتھائی خاندان اس وقت بھی غذائی عدم تحفظ کا سامنا کر رہے ہیں۔ دفاعی اخراجات کے مالی دباؤ سے سرکاری معاونت میں کمی کے امکانات بڑھ رہے ہیں، جس کے نتیجے میں طبقاتی خلیج اور سماجی بے چینی مزید شدید ہوگی۔
- نئی معکوس ہجرت کی لہر گزشتہ مہینوں میں اسرائیلی شہریوں میں "ملک چھوڑنے کے رجحان" سے متعلق متعدد رپورٹس سامنے آئی ہیں۔ فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق صرف جنوری 2023 سے ستمبر 2024 کے درمیان تقریباً 90 ہزار افراد فلسطینِ اشغالی چھوڑ چکے ہیں۔ اسرائیلی ماہرین خبردار کرتے ہیں کہ مالی بوجھ میں اضافہ اور معاشی غیر یقینی صورتحال نئی معکوس ہجرت کی ایک تازہ لہر پیدا کرے گی۔
- سرکاری قرض کے دباؤ میں اضافہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ اسرائیل کا سرکاری قرض مجموعی قومی پیداوار کے مقابلے میں تقریباً 70 فیصد کی سطح پر برقرار رہے گا؛ جو جنگ سے پہلے کی پیش گوئیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس بلند قرض سے قرض کی ادائیگی کے اخراجات میں اضافہ ہوگا اور سالانہ بجٹ پر اضافی دباؤ پڑے گا۔

سیاحت کی صنعت سیاحت، جو جنگ سے پہلے اسرائیل کے GDP کا تقریباً 3 فیصد تھی، تقریباً مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہے۔ اسرائیلی وزارتِ سیاحت کی رپورٹس کے مطابق 2025 میں غیر ملکی سیاحت 60 فیصد سے زیادہ گر گئی، اور جنگ کے آغاز سے دسمبر 2025 تک تقریباً 30 لاکھ کم سیاح مقبوضہ فلسطین میں داخل ہوئے ہیں۔ تل ابیب اور مقبوضہ قدس جیسے شہر، جو غیر ملکی سیاحوں پر انحصار کرتے تھے، اب شدید کمی کے شکار ہیں۔ مثال کے طور پر نومبر 2025 تک سیاحت سے ہونے والا مالی نقصان 10 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے۔ اسرائیلی ماہرینِ اقتصادیات اسے "ناقابلِ بازگشت تباہی" قرار دیتے ہیں۔ ٹائمز آف اسرائیل کے ایک نمایاں تجزیہ کار نے لکھا: "جنگ کی ہوائیں کچھ حد تک تھمنے کے بعد بھی سیاح فوراً واپس نہیں آئیں گے، اور سیاحت کی صنعت کو بحالی کے لیے مہینوں یا حتیٰ کہ برسوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" اسی طرح وزارتِ سیاحت کے حکام نے اعتراف کیا ہے کہ "اکتوبر 2023 سے ستمبر 2025 تک سیاحت میں 70 فیصد کمی نے مقامی معیشت کو مفلوج کر دیا ہے اور ہزاروں ملازمتیں ختم ہو گئی ہیں۔" غزہ میں جنگ کے جاری رہنے اور آتش بس کے اعلان کے باوجود حملے جاری ہونے کے باعث، اس شعبے کی بحالی میں ممکن ہے دہائیاں لگ جائیں، کیونکہ دنیا میں اسرائیل کی شبیہ شدید متاثر ہو چکی ہے اور سیاح اب زیادہ محفوظ مقامات کا انتخاب کر رہے ہیں۔ ٹیکنالوجی (ہائی ٹیک) کی صنعت ٹیکنالوجی کا شعبہ، جو اسرائیلی معیشت کا انجن اور 50 فیصد سے زیادہ برآمدات کا ذمہ دار ہے، تباہ کن ضرب کا شکار ہوا ہے۔ 2025 میں غیر ملکی سرمایہ کاری تقریباً 15 فیصد کم ہوئی ہے، جبکہ اس شعبے کے کئی حصے ریزرو فوجیوں کی طلبی اور عالمی اعتماد میں کمی کے باعث شدید متاثر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر، نوجوان اسٹارٹ اپ سیکٹرز کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے اور مجموعی معیشت عالمی تجارتی سست روی اور جنگ سے متاثر ہوئی ہے۔ دماغی صلاحیتوں کا انخلا بھی بڑھ گیا ہے؛ ڈاکٹرز، انجینئرز اور ٹیکنالوجی کے ماہرین یورپی ممالک کی طرف ہجرت کر چکے ہیں۔" اِرز شاجار"، جو کومرا کیپیٹل نامی سرمایہ کاری کمپنی کے بانیوں میں سے ایک ہیں، نے ستمبر 2025 میں نیشنل پبلک ریڈیو (NPR) کو ایک انٹرویو میں کہا تھا: "اسرائیل کی معیشت دباؤ کی علامات ظاہر کر رہی ہے، اور ٹیکنالوجی کا شعبہ، جو مرکزی انجن ہے، عالمی کساد بازاری اور جنگ سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔" اسی طرح سرکاری رپورٹس ظاہر کرتی ہیں کہ "مسلسل جنگوں نے ٹیکنالوجی کے حساس شعبوں میں سرمایہ کاری میں کمی پیدا کی ہے اور مستقبل کی معیشت کو

خطرے میں ڈال دیا ہے۔" یہ نقصان ساختی نوعیت کے ہیں؛ غیر ملکی سرمایہ کاروں کے اعتماد کی بحالی اور ماہرین کی واپسی کے لیے بنیادی سیاسی تبدیلیاں درکار ہیں، جو قریبی مستقبل میں ممکن ہوتی نظر نہیں آتیں۔ زرعی شعبہ اور شمالی علاقے لبنان کے ساتھ جنگ، جس نے شمالی سرحدوں کو لپیٹ میں لیا، نے اسرائیل کی زرعی پیداوار کو شدید متاثر کیا ہے۔ جنگ کے دوران 1 لاکھ سے زیادہ افراد کو شمالی اور جنوبی علاقوں سے نقل مکانی پر مجبور کیا گیا اور کھیتوں کو نقصان پہنچا؛ یہاں تک کہ 2025 میں زرعی پیداوار 20 فیصد سے زیادہ کم ہوگئی، جس کے نتیجے میں درآمدات میں اضافہ اور مہنگائی بڑھ گئی۔ سڑکیں، عمارتیں اور دیگر بنیادی ڈھانچے دوبارہ تعمیر کرنے کے اخراجات اربوں ڈالر ہیں۔ مزید یہ کہ جنگی نقصان کے باعث زرعی نظام میں خلل پڑنے سے پیداواریت بھی کم ہوگئی ہے۔ اسرائیلی وزارتِ زراعت کے حکام نے نومبر 2025 میں کہا تھا: "جنگ نے مقامی کسانوں کو بے مثال چیلنجوں سے دوچار کر دیا ہے اور مقامی شعبے کی مدد کے لیے درآمدات میں کمی کی ضرورت ہے۔" بین الاقوامی رپورٹس بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ "اکتوبر 2023 کے حملوں اور لبنان کی جنگ نے زرعی شعبے کو شدید نقصان پہنچایا ہے اور پیداوار کو مفلوج کر دیا ہے۔" یہ علاقے، جو زرعی سرگرمیوں پر انحصار کرتے تھے، اب بے روزگاری کے بحران کا سامنا کر رہے ہیں، اور مٹی و بنیادی ڈھانچے کی بحالی میں کئی سال لگیں گے۔ مجموعی اقتصادی ترقی اور بے روزگاری اسرائیل کی GDP کی ترقی 2022 میں 6.5 فیصد سے گھٹ کر 2023 میں 2 فیصد اور 2025 میں تقریباً 2.5 فیصد رہ گئی ہے۔ نومبر 2025 میں بے روزگاری کی شرح تقریباً 3 فیصد ہے، لیکن بغیر تنخواہ رخصتوں اور نوجوانوں کی کم ہوتی شمولیت کو شامل کیا جائے تو حقیقی شرح اس سے زیادہ بنتی ہے۔ نجی کھپت، برآمدات اور سرمایہ کاری میں شدید کمی آئی ہے اور 2026 کے لیے ترقی کی پیش گوئی تقریباً 4.7 فیصد ہے، لیکن یہ مکمل طور پر جنگوں کے خاتمے پر منحصر ہے۔ اسرائیل کے مرکزی بینک کے سربراہ نے کہا ہے: "غزہ اور لبنان کی جنگوں نے معیشت کو جنگ اور تنہائی کے درمیان پھنسایا ہوا ہے اور اخراجات کو 2025 کے وسط تک 60 سے 120 ارب ڈالر تک پہنچا دیا ہے۔" یہ اعداد و شمار ایک گہرے جمود کی نشاندہی کرتے ہیں، جو بلند مہنگائی (درآمدی اخراجات میں اضافے کے سبب) کے ساتھ مل کر سامنے آیا ہے، اور اس کی بحالی کے لیے غیر ملکی سرمایہ کاری کی ضرورت ہے جو فی الحال کم ہو چکی ہے۔ ایران کے ساتھ 12 روزہ جنگ کا اثر جون 2025 میں ایران کے ساتھ 12 روزہ جنگ، جو میزائل اور فضائی حملوں پر مشتمل تھی، نے اسرائیلی معیشت کو ایک اور شدید جھٹکا دیا۔ بینک آف اسرائیل کی رپورٹ کے مطابق اس لڑائی کے براہِ راست اخراجات تقریباً 12 ارب ڈالر تھے، جبکہ تجزیہ کاروں کا اندازہ ہے کہ کل اخراجات 20 ارب ڈالر تک پہنچ سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ، مؤسسہ سیاست اقتصادی آرون کی رپورٹ کے مطابق اگر یہ جنگ پورا ایک مہینہ جاری رہتی تو کل اخراجات 12 ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہو سکتے تھے۔ اس جنگ نے مجموعی قومی پیداوار کی ترقی میں تقریباً 1.6 فیصد کی کمی پیدا کی اور 2025 کے لیے حقیقی ترقی کی پیش گوئی 3.3 فیصد سے کم ہو کر 1.7 فیصد رہ گئی، جو تقریباً 5.9 ارب ڈالر کے نقصان کے برابر ہے۔ جنگ کے دوران اقتصادی سرگرمی تقریباً مکمل طور پر رک گئی، غیر ضروری کاروبار بند ہو گئے، اور بیمہ و نقل و حمل کے اخراجات بڑھ گئے۔ اسی طرح مشرقِ وسطیٰ کونسل کی رپورٹ کے مطابق جنگ کے دوران تیل کی قیمت 17 فیصد بڑھ کر 80 ڈالر فی بیرل تک پہنچ گئی، حالانکہ آتش بس کے بعد یہ دوبارہ پرانی سطحوں پر آ گئی۔ اسرائیلی فوج کی ریزرو بریگیڈیئر جنرل اور چیف آف اسٹاف کی سابق مالی مشیر ریم ایناچ جو پہلے وزارتِ جنگ کے بجٹ ڈیپارٹمنٹ کی سربراہ اور فوج کے اقتصادی شعبے کی ڈائریکٹر رہ چکی ہیں نے 15 جون 2025 کو اخبار کالکالیست کو ایک انٹرویو میں (جنگ شروع ہونے کے صرف دو دن بعد) کہا تھا: "اس جنگ کے براہِ راست یومیہ اخراجات تقریباً 2.75 ارب شیکل (725 ملین ڈالر) ہیں، اور یہ صرف براہِ راست اخراجات ہیں؛ غیر مستقیم اخراجات جیسے GDP پر اثرات، اب تک قابلِ اندازہ نہیں ہیں۔" اختتامیہ آخرکار، غزہ اور لبنان میں دو سالہ جنگوں نے، ایران کے ساتھ مختصر جنگ کے ساتھ مل کر، اسرائیل کی معیشت کو فروپاشی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے۔ 68 ارب ڈالر کے فوجی اخراجات سے لے کر سیاحت کی تباہی اور ٹیکنالوجی کی صنعت کو پہنچنے والے نقصان تک یہ تمام ضربیں ساختی اور طویل المدت ہیں، جن کی بحالی آسان نہیں ہوگی۔

https://farsnews.ir/r_yasin/1764589092059562078

☆☆☆☆☆

اسرائیل کی تاریخی شکست۔۔۔ اعداد و شمار کی روشنی میں

ترتیب و تنظیم: علی واحدی

12 روزہ جنگ صیہونی حکومت کی تاریخ کی سب سے بڑی شکستوں میں سے ایک تھی۔ رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے مطابق یہ جارحیت اسرائیل کے ایران کا مقابلہ کرنے کے 20 سالہ منصوبے کا نتیجہ ہے، جو مکمل طور پر ناکامی پر منتج ہوئی۔ مقبوضہ علاقوں میں میڈیا کی شدید سنسرشپ کی وجہ سے نقصانات اصل اعداد و شمار ابھی تک مکمل طور پر شائع نہیں ہو سکے ہیں، لیکن اسرائیلی حکام اور میڈیا کے اعترافات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کو بہت زیادہ معاشی، فوجی اور سماجی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اعداد و شمار بحران کے حقیقی جہتوں کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ دکھاتے ہیں، لیکن یہ حقائق واضح طور پر بتاتے ہیں کہ تل ابیب نے 12 دن کے بعد جنگ بندی پر رضامندی کیوں ظاہر کی۔

صیہونی حکام کی ناکامی کا اعتراف

اعترافی بیانات میں سے ایک اہم ترین بیان میجر جنرل جیورا ایلینڈ نے دیا ہے، جو اسرائیلی سلامتی کونسل کے سابق چیئرمین ہیں۔ صیہونی حکومت کے میڈیا کے ساتھ ایک انٹرویو میں، انہوں نے کہا: ''اسرائیل کے مفادات جنگ کے خاتمے اور جنگ بندی کو قبول کرنے میں تھے، جنگ جاری رکھنا اس کے بہترین مفاد میں نہیں تھا۔'' یہ الفاظ براہ راست اسٹریٹجک اہداف کے حصول میں ناکامی کے اعتراف کی عکاسی کرتے ہیں۔ آئلینڈ کے مطابق، جنگ جاری رکھنے کے اخراجات، بشمول معاشی نقصانات اور بین الاقوامی دباؤ، ممکنہ فوائد سے کہیں زیادہ تھے۔ اسرائیل کے سابق وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے بھی 12 روزہ جنگ کے بارے میں کہا: ''ایرانی میزائلوں نے اسرائیلی شہروں کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچایا اور ایران کا اسرائیل کے ساتھ پر امن طریقے سے رہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' یہ کھلا اعتراف ظاہر کرتا ہے کہ ایران کا مقابلہ کرنے کا 20 سالہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔

حکومت کے میڈیا تجزیہ کاروں نے بھی اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ چینل 12 کے ایک رپورٹر نے کہا: ''ہم ایران کو شکست دینے میں ناکام رہے اور ہم مستقبل میں اس کی قیمت ادا کریں گے۔'' اخبار یدیعوت احرونوت کے عسکری تجزیہ کار یوسی یھوشوا نے زور دے کر کہا: ''اسرائیل اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ، ایران کو شکست دینے میں ناکام رہا۔'' اسرائیل کے چینل 12 ٹی وی نے یہ بھی رپورٹ کیا کہ ایران نے ابھی تک طویل فاصلے تک مار کرنے والے ہتھیار یا بھاری میزائل استعمال نہیں کیے ہیں اور معاریو اخبار نے تسلیم کیا ہے کہ ایران جنگ کے بعد پہلے سے زیادہ مضبوط ہوا ہے۔

مالی اور معاشی نقصانات

اسرائیلی ٹیکس ایڈمنسٹریشن کے مطابق ایران کے ساتھ جنگ کے آغاز سے اب تک 41,651 نقصان کے مقدمات درج کیے گئے ہیں۔ عمارتوں کو نقصان پہنچانے سے متعلق 32,975 مقدمات، گاڑیوں سے متعلق 4,119 کیسز، آلات اور جائیداد سے متعلق 4,456 مقدمات۔ ایک اندازے کے مطابق ہزاروں تباہ شدہ عمارتیں اب بھی غیر رجسٹرڈ ہیں۔ Ma'ariv اخبار کے معاشی تجزیہ کار شلومو موز نے لکھا ہے کہ 12 روزہ اسرائیلی فوجی آپریشن پر تقریباً 16 بلین ڈالر لاگت آئی اور اسی رقم سے حکومت کی مجموعی داخلی پیداوار (جی ڈی پی) کو نقصان پہنچا۔ اقتصادی سرگرمیوں میں خلل کی وجہ سے روزانہ تقریباً 1.5 بلین ڈالر کا نقصان ہوا، جس سے ہائی ٹیک، نقل و حمل، سیاحت، ریستوران اور مینوفیکچرنگ کے شعبوں کو نقصان پہنچا۔ ہوائی اڈے کی بندش اور پروازوں کی معطلی بھی معیشت پر اضافی دباؤ ڈالتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ نصف نقصانات کی تلافی مستقبل میں ہو جائے گی، اس سے اب بھی تقریباً 8 بلین ڈالر کا نقصان ہوگا، جو اسرائیل کی جی ڈی پی کے 1.3 فیصد کے برابر ہے۔

فوجی اور دفاعی اخراجات

اسرائیل کے اوسطاً فوجی اخراجات 725 ملین ڈالر یومیہ تھے، جو 12 دنوں کے دوران کل 8.7 بلین ڈالر بنتا ہے۔ اس میں فضائی حملے، F-35 لڑاکا طیاروں اور مختلف گولہ بارود کا استعمال شامل تھا۔ آئرن ڈوم، ایرو، اور ڈیوڈز فلاک سمیت جدید میزائل ڈیفنس سسٹم کو چالو کرنے کی لاگت $10 ملین سے $200 ملین یومیہ ہے۔ ہر ایک انٹرسیپٹر میزائل کی لاگت $700,000 اور $4 ملین کے درمیان ہے اور 12 دنوں کے دوران کل دفاعی اور فوجی اخراجات کا تخمینہ $12.2 بلین لگایا گیا ہے۔

ایرانی حملوں سے نقصان

ایرانی میزائل حملوں سے انفراسٹرکچر کو تقریباً 3 بلین ڈالر کا براہ راست نقصان پہنچا۔ کلیدی اہداف میں حیفا آئل ریفائنری، وایز مین انسٹی ٹیوٹ اور تل ابیب میں فوجی عمارتیں شامل تھیں۔ اسرائیلی ٹیکس اتھارٹی نے ابتدائی طور پر نقصان کا تخمینہ 1.3 بلین ڈالر لگایا تھا، لیکن توقع ہے کہ یہ 1.5 بلین ڈالر سے تجاوز کر جائے گا، جو پچھلے ایرانی حملوں سے ہونے والے براہ راست نقصان سے دوگنا ہے۔ 18,000 سے زیادہ لوگ اپنے گھر خالی کرنے پر مجبور ہوئے اور ہنگامی رہائش کے اخراجات کا تخمینہ تقریباً 500 ملین ڈالر لگایا گیا۔ انفراسٹرکچر اور گھروں کی تعمیر اس کے علاوہ ہے۔

میکرو اکنامک نتائج

ناکام جنگ کے بعد، حکومت کا بجٹ خسارہ جی ڈی پی کے 6 فیصد تک بڑھ گیا اور دفاعی اخراجات 20 سے 30 بلین شیکل تک بڑھ گئے۔ بنک آف اسرائیل نے اپنی 2025ء کی اقتصادی ترقی کی پیشن گوئی کو کم کر کے 3.5 فیصد کر دیا اور جنگ کی لاگت کا تخمینہ جی ڈی پی کا 1 فیصد (تقریباً 5.9 بلین ڈالر) لگایا۔ اسٹینڈرڈ اینڈ پورز اور فچ کی جانب سے وارننگ کے ساتھ حکومت کی کریڈٹ ریٹنگ بھی متاثر ہوئی۔ امریکہ نے بھی اسرائیل کے دفاع پر تقریباً 1 سے 1.2 بلین ڈالر خرچ کیے، خاص طور پر THAAD سسٹم کے ذریعے، لیکن اپنے ابتدائی مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہونے کے بعد، اس نے اس کو بھی ترک کر دیا۔

نتیجہ

اسرائیل اور ایران کے درمیان 12 روزہ جنگ صیہونی حکومت کی من گھڑت تاریخ کی سب سے مہنگی اور ناکام جنگوں میں سے ایک تھی۔ سرکاری اعداد وشمار

اور بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل کے اقتصادی اخراجات 12 سے 20 بلین ڈالر کے درمیان بتائے گئے ہیں، لیکن زیادہ جامع اندازے 40 بلین ڈالر کے اعداد وشمار کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اہم اخراجات

براہ راست فوجی اخراجات: 12.2 بلین ڈالر، اقتصادی رکاوٹ اور کاروبار کی بندش: 21.4 بلین ڈالر، ایرانی حملوں سے نقصان: 4.5 بلین ڈالر، انخلا اور تعمیر نو کے اخراجات: 2 بلین ڈالر۔ یہ اعداد وشمار، حتیٰ کہ حکومت کے اپنے بتائے ہوئے سرکاری اعداد وشمار بھی اسرائیل پر شدید اقتصادی، فوجی اور سماجی دباؤ کی عکاسی کرتے ہیں۔ بجٹ خسارے، اقتصادی ترقی میں کمی، سیاحت کو پہنچنے والے نقصان، پیشہ ور افراد کی بے دخلی اور سرمایہ کاروں کے اعتماد میں کمی سمیت طویل مدتی نتائج اس کے علاوہ ہیں۔ بالآخر، 12 روزہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ ایران کا مقابلہ کرنے کا اسرائیل کا 20 سالہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور تل ابیب مزید نقصان اور اقتصادی تباہی سے بچنے کے لیے جنگ بندی قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ یہ بیانیہ اور اعداد وشمار اسرائیلیوں اور ان کے میڈیا ذرائع کے اعترافات پر مبنی ہے۔ یہ اعتراف شکست و ریخت کے حقیقی جہتوں کی واضح تصویر پیش کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ تمام تر دعوؤں اور شور شرابے کے باوجود صیہونی حکومت اسلامی جمہوریہ ایران کے دباؤ میں تقریباً مفلوج ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

لبنان، حزب اللہ اور اسٹریٹیجی

ڈاکٹر راشد عباس نقوی

حزب اللہ کے سیکریٹری جنرل شیخ نعیم قاسم نے آج 5 دسمبر بیروت کے علاقے ضاحیہ میں شہید سید حسن نصر اللہ، شہید ہاشم صفی الدین، علمائے کرام اور حزب اللہ کے جوانوں کی شہادت کی مناسبت سے منعقدہ عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جس راستے کا انتخاب سید حسن نصر اللہ اور شہید عباس موسوی نے کیا تھا ہم اسی راستے پر گامزن ہیں اور خدا کے فضل وکرم سے اسی راستے کو جاری وساری رکھیں گے شیخ نعیم قاسم نے کہا کہ غاصب صیہونی حکومت گریٹر اسرائیل کے نقشے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہی ہے اور امریکہ صیہونی حکومت کے منصوبے کی تکمیل کیلئے لبنان کی حکومت پر حزب اللہ کو غیر مسلح کرنے کیلئے دباو ڈل رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اور اسرائیل کے سامنے صرف اور صرف حزب اللہ کا ہتھیار نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک بہانہ ہے ان کا اصل مقصد لبنان پر قبضہ کرنا ہے اور اس کیلئے وہ سب سے پہلے حزب اللہ اور اسلامی مقاومت کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حزب اللہ کے سیکریٹری جنرل نے حکومت لبنان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ لبنان کے داخلی امور میں امریکہ اور اسرائیل کو بات کرنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں لبنان کے داخلی مسائل ہم مل بیٹھ کر حل کر سکتے ہیں، امریکہ اور اسرائیل اپنے مفادات کے دائرے میں لبنان میں خانہ جنگی کرانے کے درپے ہیں۔ شیخ نعیم قاسم نے کہا کہ لبنان کی حکومت کو چاہیئے کہ وہ ملک میں اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم کرے اس لئے کہ ہم سب ایک ایسی کشتی پر سوار ہیں کہ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوا تو اس سے ہم سب کو نقصان ہوگا۔ حزب اللہ کے سیکریٹری جنرل نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ ہم کسی بھی طور ہتھیار نہیں ڈالیں گے، دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور استقامت کے راستے کو جسے شہید سید عباس موسوی اور شہید سید حسن نصر اللہ نے شروع کیا تھا بھرپور طریقے سے اور پوری طاقت وتوانائی کے ساتھ جاری و ساری رکھیں گے۔ حزب اللہ کے سینئر کمانڈروں بالخصوص سید ہیثم طباطبائی کی شہادت کے بعد بعض علاقائی عناصر نے لبنان کو کشیدگی اور براہ راست تنازع کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی ہے۔ مختلف طرح کے دباؤ میں محدود فوجی حملے، نفسیاتی کارروائیاں، میڈیا اور اقتصادی دباؤ اور لبنان کی سلامتی اور دفاعی فیصلہ سازی کی صلاحیت کو محدود کرنے کی کوششیں شامل ہیں۔ ان اقدامات کا بنیادی ہدف ملک میں عدم استحکام پیدا کرنا اور مزاحمتی قوت کو کمزور کرنا ہے۔ حزب اللہ خطرات کو درست طریقے سے پہچانتے ہوئے، ہمیشہ حکمت عملی اور مطلوبہ منصوبہ بندی سے عوام کی حفاظت اور دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنانے کے راستہ پر چلنے میں کامیاب رہی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ عسکری تیاری اور ڈیٹرنس کو برقرار رکھتے ہوئے یہ تنظیم وسیع اور تباہ کن تصادم میں ملوث ہوئے بغیر دشمن کے جارحانہ اقدامات کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ لبنان کے اندرونی چیلنجز لبنان کو اس وقت اندرونی اور علاقائی چیلنجوں کا ایک طویل سلسلہ درپیش ہے۔ گہرے معاشی بحرانوں، وسائل کی تنگی، بدعنوانی، سماجی عدم مساوات اور بین الاقوامی دباؤ نے لبنان کے حالات کو حساس اور نازک بنا دیا ہے۔ یہ صورتحال کسی بھی اضافی بحران کو روکنے کے لیے ایک زیرکانہ اور متوازن فیصلہ سازی کی متقاضی ہے۔ دوسری طرف، قومی ہم آہنگی اور سیکورٹی اور سیاسی اداروں پر عوام کا اعتماد کسی بھی ملک کے استحکام کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حزب اللہ، اپنے وسیع مقبول نیٹ ورکس اور جارحیت کا مقابلہ کرنے کے کئی دہائیوں کے تجربے کے ساتھ، حساس علاقوں میں نسبتاً سیکورٹی قائم کرنے اور استحکام برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ علاقائی خطرات اور ان کے نتائجلبنان ایک انتہائی پیچیدہ اور کشیدہ خطے کا حصہ ہے۔ شام، فلسطین اور دیگر پڑوسی ممالک میں ہونے والی پیش رفت نے لبنان کی قومی سلامتی کے لیے بے شمار خطرات پیدا کر

دیے ہیں۔ صیہونی حکومت روزانہ حملوں، سرحدی خلاف ورزیوں اور مزاحمتی کمانڈروں کے قتل کے ذریعے حزب اللہ اور لبنانی حکومت کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ سیاسی اور نفسیاتی دباؤ پیدا کرنے کے علاوہ یہ اقدامات ملک کے استحکام اور سلامتی کے لیے براہ راست خطرہ ہیں۔ سید ہیثم طباطبائی کا قتل اور دیگر کمانڈروں پر حملے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسرائیل سفارتی اصولوں اور بین الاقوامی دباؤ کو نظر انداز کرنے اور حزب اللہ کی سرخ لکیر کو عبور کرنے والے اقدامات کے لیے تیار ہے۔ ان رویوں نے نہ صرف لبنان میں عوامی غم غصے میں اضافہ کیا ہے بلکہ اسے حزب اللہ کی طاقت اور براہ راست دھمکیوں کا جواب دینے کی صلاحیت کا امتحان بھی سمجھا جا رہا ہے۔ سیکورٹی مینیجمنٹ میں حزب اللہ کا کردار حزب اللہ، لبنان کی قومی سلامتی کی ریڑھ کی ہڈی کے طور پر، ملک کے اندرونی بحرانوں سے نمٹنے اور علاقائی خطرات سے نمٹنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ماضی میں محتاط منصوبہ بندی، جنگی تیاری، اور وسیع مزاحمتی نیٹ ورکس کی بدولت، یہ تنظیم سلامتی اور استحکام کو برقرار رکھتے ہوئے ملک کو وسیع تنازعات میں داخل ہونے سے روکنے میں کامیاب رہی ہے۔ حزب اللہ کی طاقت صرف فوجی میدان تک محدود نہیں ہے۔ یہ تنظیم سماجی، اقتصادی اور سیاسی ہم آہنگی میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معاشرے میں فعال طور پر حصہ لے کر اور قومی ہم آہنگی پیدا کر کے، حزب اللہ لبنان کی اندرونی صلاحیتوں کو مضبوط کرنے اور مزاحمت کو کمزور ہونے سے روکنے میں کامیاب رہی ہے۔ تجربے نے ثابت کیا ہے کہ اس ڈھانچے کو محدود کرنے کی کسی بھی کوشش کو صرف ہوشمندانہ انتظام اور لبنانی سول اور سیاسی معاشرے کی فعال موجودگی سے ہی ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ حزب اللہ کی طاقت کی تعمیر نو اور اس کے نتائج حالیہ مہینوں میں حزب اللہ کی سب سے اہم کارروائیوں میں سے ایک اسرائیلی جنگوں اور حملوں کے بعد اپنی فوجی طاقت اور جنگی تنظیم کی تعمیر نو ہے۔ اس تعمیر نو نے ڈیٹرنس اور مستقبل کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی ہے اور دشمن کو حزب اللہ کی صلاحیتوں کی حقیقی طاقت کے بارے میں شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ اسرائیل کی طرف سے حزب اللہ کے سینئر مزاحمتی کمانڈروں کا قتل حزب اللہ کی حقیقی طاقت کا اندازہ لگانے اور جنگی طیارے کے ابہام کے پردے بے نقاب کرنے کی کوشش کا حصہ ہے۔ تاہم، ان کارروائیوں پر حزب اللہ کا ردعمل خالصتاً حکمت عملی پر مبنی ہے، جو اندرونی پیش رفتوں کی تعمیر نو اور انتظام کی طویل مدتی حکمت عملی پر توجہ مرکوز نظر آتا ہے۔ موجودہ صورتحال کا اسٹریٹجک تجزیہ ماضی قریب کی تاریخ بتاتی ہے کہ لبنان کے معاشی اور سماجی حالات کے پیش نظر حزب اللہ کوئی بھی نئی جنگ شروع کرتے وقت بڑی زہانت اور گہری حکمت عملی کے ساتھ کام کرتی ہے۔

معاشی تباہی، عوامی خدمات کے بحران اور سیاسی تقسیم نے لبنان کو ایسی صورت حال میں ڈال دیا ہے جہاں کسی بھی بڑے پیمانے پر فوجی کارروائی کے تباہ کن نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا حزب اللہ کو لبنانی حکومت اور فوج کے ساتھ احتیاط، حساب کتاب اور ہم آہنگی کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ حالیہ اسرائیلی حملے کا تجزیہ نیتن یاہو کے اندرونی بحران کے تناظر میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ بیرونی خطرہ پیدا کر کے وہ اندرونی دباؤ اور سیاسی تنقید کو کم کرنے اور کمزور اندرونی اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جارحیت نہ صرف حزب اللہ کے خلاف ہے بلکہ دشمن کے اندرونی سیاسی مقاصد کے لیے بھی ایک سودمند ہو سکتی ہے۔

نتیجہ لبنان کو موجودہ حساس حالات میں وسیع پیمانے پر اندرونی اور علاقائی خطرات کا سامنا ہے۔ صیہونی حکومت کے دباؤ اور جارحانہ اقدامات ملک کو براہ راست تصادم کی طرف دھکیلنے اور قومی صلاحیتوں کو محدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن لبنان کا تاریخی تجربہ اور اندرونی طاقت بالخصوص حزب اللہ کا کردار یہ بتاتا ہے کہ سلامتی اور استحکام کو برقرار رکھنے کا راستہ باہدف مزاحمت، دفاعی صلاحیتوں کی تعمیر نو اور صلاحیتوں کے ہوشمندانہ استعمال سے ہے۔ جنگی صلاحیتوں کو برقرار رکھنے، ڈیٹرنس پیدا کرنے، اور بحرانوں کا مطلوبہ انتظام کر کے، حزب اللہ ملک کی ترقی اور استحکام کے راستے کو یقینی بنا سکتی ہے۔ اس راستے کو جاری رکھنا لبنان کو بڑے پیمانے پر کشیدگی میں داخل ہونے سے بچائے گا اور ملک کی آزادی، خودمختاری اور قومی سلامتی کو بھی مضبوط و مستحکم بنا سکے گا۔

عراق انتخابات 2025ء، ایک سیاسی تجزیہ

تحریر: سید اسد عباس

عراق پر 2003ء میں امریکی حملے، صدام حکومت کے خاتمے کے بعد بننے والی جمہوری حکومت کا سیاسی سفر حالیہ انتخابات 2025ء کے بعد ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ آئین کی تشکیل، فرقہ وارانہ تنازعات کا حل، داعش کا ظہور اور خاتمہ، خارجہ طاقتوں کی دخل اندازی اور مسلسل حکومت سازی کے بحران جیسے مشکل مراحل اس سفر کے دوران عراقی عوام اور قیادت نے دیکھے۔ ان مسائل کے ساتھ جڑے سماجی مسائل بے روزگاری، مہنگائی، کرپشن، بنیادی انفراسٹرکچر کی عدم فراہمی وغیرہ اس پر مستزاد ہیں۔ حالیہ انتخابات نے ایک امر کو واضح کیا کہ عراق اب بھی ایران اور امریکہ کے مابین سیاسی توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا، تاہم اس کوشش میں داخلی کشمکش، طاقتور گروہوں کے اثرات اور بداعتمادی جیسے عوامل مسلسل رکاوٹ بن رہے ہیں۔

عراق کا جدید سیاسی نظام 2005ء کے آئین کے تحت قائم ہوا ہے۔ اس آئینی ڈھانچے میں وزیر اعظم شیعہ ہوتا ہے، صدر کرد ہوتا ہے اور سپیکر اہل سنت مکتب فکر سے ہوتا ہے۔ یہ طاقت کی تقسیم بظاہر متوازن نظر آتی ہے، مگر عملی طور پر اس نے فرقہ وارانہ کوٹہ سسٹم کو جنم دیا ہے، جس کے نتیجے میں سیاسی جماعتیں قومی منشور کے بجائے فرقہ وارانہ نمائندگی پر توجہ دینے لگتی ہیں، ایسے سسٹم میں خارجی قوتوں کو دخل اندازی کرنے کا بھرپور موقع میسر آتا ہے۔ امریکہ اہل سنت عربوں، کردوں اور ریاستی اداروں کی تشکیل نو کے ذریعے اپنا رسوخ قائم رکھتا ہے، جبکہ ایران کا میدان رسوخ عسکری گروہ اور مقاومتی تنظیمیں ہیں۔

2006ء سے 2018ء تک عراق دہشت گردی، داعش کے عروج، جنگوں، فرقہ وارانہ فسادات اور معاشی بحرانوں سے دوچار رہا، جس کے سبب سیاسی سفر عملاً معطل رہا۔

2021ء کے انتخابات عراق کے لیے اہمیت رکھتے تھے، کیونکہ یہ عوامی احتجاج کے بعد ہونے والے پہلے انتخابات تھے۔ عوامی احتجاجی لہر کے نتیجے میں حکومت گرادی گئی، انتخابی اصلاحات کی گئیں اور قبل از وقت انتخابات کرائے گئے۔ 2021ء میں مقتدیٰ صدر کی جماعت پارلیمان کی سب سے بڑی جماعت کے طور پر سامنے آئی۔ ٹرن آوٹ 41 فیصد رہا، جو سیاسی و عوامی بیزاری کی علامت سمجھا گیا۔ اس انتخاب میں آزاد امیدواروں اور تشرین تحریک کے کارکنان نے کچھ نشستیں حاصل کیں، تاہم حکومت سازی 11 ماہ تک تعطل کا شکار رہی۔ مقتدیٰ الصدر نے اکثریتی حکومت بنانے کی کوشش کی، تاہم ان کو وہ مینڈیٹ حاصل نہ تھا کہ وہ تنہاء حکومت بنا سکتے۔ دیگر گروہوں سے ان کا فکری، مسلکی اور نسلی اختلاف آڑے آیا۔ نتیجتاً مقتدیٰ صدر نے اپنے اراکین پارلیمنٹ کو مستعفی ہونے کا کہا، جو عراق کی سیاسی تاریخ کا غیر معمولی اقدام تھا۔

2025ء کے انتخابات کے نتائج، عراق میں تین واضح بلاکس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مزاحمتی اور منظم بلاک، اس بلاک میں بدر آرگنائزیشن (ہادی العامری)، عصائب اہل الحق/ صادقون، نوری المالکی کا قانونِ ریاست اور حشد الشعبی سے وابستہ سیاسی گروہ شامل ہیں۔ اس بلاک نے اس انتخاب میں بھی نشستوں کی

تعداد اور سیاسی اثر کے لحاظ سے واضح برتری حاصل کی۔ یہ بلاک عراق کی سلامتی کی پالیسی، اقتصادی ترجیحات، خارجہ تعلقات، شام اور خطے کی سیکورٹی حکمت عملی میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے، تاہم ان کا اثر عراق کو بعض خطوں میں امریکہ، اہلسنت اور کردوں سے تناؤ کی کیفیت میں لے جاتا ہے۔

دوسرا اہم بلاک اہل سنت مکتب اور کردوں کا بلاک ہے، جس میں صلاح الدین، محمد الحلبوسی، خمیس الخنجر سمیت دیگر اہم اہل سنت قائدین کی جماعتیں شامل ہیں۔ اس گروہ نے مرکز سے اختیارات لینے، ملکی اداروں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے اور ترقی کے وعدوں پر انتخابات لڑے، جو واضح طور پر امریکی لائن کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مسعود بارزانی نے اربیل اور دوک میں اپنی اکثریت برقرار رکھی۔ یہ بھی عراقی سیاست میں امریکی رسوخ کو برقرار رکھنے کا ایک اہم عامل ہیں۔ تیسری اہم قوت جو عراقی سیاست میں ظاہر ہو رہی ہے، وہ جدید قوم پرستی کی تحریک ہے، جو اگرچہ فی الحال منتشر ہے، تاہم اس نے موجودہ انتخابات

میں قوت حاصل کی ہے۔ اس کا آغاز تشرین تحریک سے ہوا۔

یہ گروہ عراق کے لیے متوازن خارجہ پالیسی، مسلح گروہوں کے رسوخ کے خاتمہ، داخلی سیاست میں خارجہ قوتوں کی دخالت کے خاتمہ، معاشی بدعنوانی پر گرفت، ریاستی اداروں کی خودمختاری جیسے اہداف کے لیے سرگرم عمل ہے۔ فی الحال یہ آواز منظم ڈھانچے، سیاسی قیادت، وسائل اور انتخابی اتحاد سے محروم ہے۔ یہی سبب ہے کہ حالیہ انتخابات میں کوئی نمایاں کامیابی نہ حاصل کر سکی، مگر سماجی سطح پر اس کا اثر بڑھ رہا ہے۔ حالیہ انتخابات میں مقتدیٰ الصدر کی جماعت کا بائیکاٹ اور غیر موجودگی، 2025ء انتخابات کا سب سے بڑا سیاسی واقعہ تھا۔ ان کا کہنا

ہے کہ ملک کا سیاسی نظام بدعنوانی پر مبنی ہے نیز شفاف نہیں ہے۔

ایک طرح سے وہ مزاحمتی گروہوں کے رسوخ کے بھی مخالف ہیں، ان کا انتخابی کمیشن پر اعتماد نہیں، وہ چاہتے ہیں کہ عراق کو غیر ملکی اثرات کے رسوخ سے باہر نکالا جائے۔ اگر صدر انتخابات میں شریک ہوتے تو شائد نتائج کا ڈی این اے مختلف ہوتا۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو تشرین تحریک اور مقتدیٰ صدر کا بیانیہ کافی حد تک ہم آہنگ ہے۔ ایسی بھی اطلاعات ہیں کہ ووٹنگ ٹرن آوٹ جو ظاہر کیا گیا، حقیقی نہیں ہے، ملک میں اہل ووٹرز کی ایک بڑی تعداد رجسٹرڈ ہی نہیں ہے، اس کے ساتھ ساتھ ووٹوں کی خریداری، سیاسی دباؤ اور بڑی کمپینز کے دعوے بھی سامنے آرہے ہیں۔

عراق کے حالیہ انتخابات اور اس کے نتائج اس امر کے آئینہ دار ہیں کہ عراقی سماج فکری، سیاسی، مسلکی اور نسلی طور پر ہی منقسم نہیں بلکہ سیاسی طور پر بھی تقسیم کا شکار ہے۔ عراق معاشی طور پر غیر مستحکم، داخلی سیکورٹی اور غیر ملکی مداخلت جیسے مسائل سے دوچار ہے، جسے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ محسوس بھی کر رہا ہے اور اس کے خاتمے کے لیے کوشاں بھی ہے۔ تبدیلی کی یہ سوچ اگر اہل سنت، کرد اور شیعہ بلاک میں ایک جیسی ہو تو عراق کے سیاسی نظم کے لیے بہت مفید ہے، تاہم اگر فقط شیعہ بلاک ایسا سوچ رہا ہے تو اس کا واضح نتیجہ عالمی کرداروں میں سے ایک کردار کے تسلط پر منتہی ہوگا۔ ایسے حالات سے دوچار اکثر معاشرے انقلابات کے لیے ہموار زمین ہوتے ہیں۔ اکثر آمر ایسے حالات پر سواری کرتے ہوئے معاشروں پر مسلط ہوتے ہیں۔

عراقی انتخابات اور امریکی گدھیں

تحریر: ڈاکٹر راشد عباس نقوی

بغداد حالیہ دنوں سینیئر امریکی سفارت کاروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ سفارتکارنما امریکی جاسوس عراق میں نئی حکومت کی تشکیل کے لیے ہونے والے مذاکرات پر اثرانداز ہونے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ان امریکی سفارتکاروں کے دوروں کا مقصد نئی کابینہ کی تشکیل کے عمل کو متاثر کرنے کے لیے امریکی سیاسی دباؤ کو استعمال کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے امریکی نائب وزیرخارجہ مائیکل ریگاس اور شام کے لیے ٹرمپ کے خصوصی نمائندے تھامس بیرک نے رواں ہفتے بغداد کا دورہ کیا۔ دریں اثناء عراق کے لیے ٹرمپ کے نمائندے مارک ساویہ بھی آنے والے دنوں میں بغداد جائیں گے۔ ماہرین ان تین اعلیٰ امریکی سفارت کاروں کے عراق کے دورے کو انتخابات کے بعد ملک میں ہونے والی پیش رفت بالخصوص وزیراعظم کے انتخاب کے لیے ہونے والے سیاسی مذاکرات سے مربوط قرار دیتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق ریگاس کا یہ دورہ ایک سرکاری مگر خاموش سفر تھا، حقیقت میں عراق سے متعلقہ معاملات میں تبدیلیوں کا پیش خیمہ اور ساویہ کے سرکاری فرائض سنبھالنے کی تیاری سے مربوط ہے، البتہ بغداد میں امریکی سفارت خانے نے ریگاس کے اس دورے کو بغداد واشنگٹن شراکت کو مضبوط بنانے اور عراق کی خودمختاری اور استحکام کی حمایت کے طور پر بیان کیا ہے۔ یہ واضح ہے کہ اس طرح کے بیانات عراق میں مزاحمتی قوتوں کے خلاف سیاسی دباؤ کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ امریکیوں کی سفارتی کوششیں اس حقیقت کی وجہ سے ہیں کہ حالیہ عراقی انتخابات میں سول تحریکوں سمیت جن قوتوں کی امریکی حمایت کرتے ہیں، انہیں خاطرخواہ کامیابی نہیں ملی ہے۔ اس کے مقابلے میں مزاحمت کے قریب سمجھی جانے والی قوتوں نے، (جو کہ امریکی قابضین کی مسلسل موجودگی کی مخالفت کرتی ہیں،) 2021ء کے انتخابات کے مقابلے میں پارلیمنٹ میں زیادہ کامیابی حاصل کی ہے۔

بغداد میں داخل ہونے سے پہلے ہی عراق کے لئے ٹرمپ کے نمائندے ساویہ نے اپنی بیان بازی کو تیز کرنے کا فیصلہ کیا اور ''پلیٹ فارم پر امریکی روڈ میپ کا خاکہ پیش کیا، جس میں ''سیاست سے ہتھیاروں کا خاتمہ، اداروں کی آزادی کو مضبوط کرنا، آئین کا احترام کرنا اور بین الاقوامی سرمایہ کاری کے دروازے کھولنا'' جیسے دعوے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ روڈ میپ عراق کے مستقبل کے لیے گویا ان کا منصوبہ ہے۔ عراق میں ٹرمپ کے نمائندے، جو پہلے پنسلوانیا میں منشیات فروش تھے، انہوں نے عراقی حکومت کو واضح طور پر دھمکی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یا تو عراق ایسے اداروں کی طرف بڑھے گا، جو

قانون پر عمل درآمد کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، یا پھر وہ پیچیدگی کے اس چکر میں واپس آجائے گا، جس نے سب پر ظلم کیا ہے۔

ساویہ کی دھمکی سے مراد وہ صورت حال ہے، جو پردے کے پیچھے چل رہی ہے، جس میں مزاحمتی بلاک کے قریبی دھڑوں کو اگلی حکومت میں اقتدار حاصل کرنے سے روکنا یا اہم ایگزیکٹو فیصلہ سازی کے عہدوں کو کنٹرول میں لینا شامل ہے۔ یہ ایسا مطالبہ جسے مختلف عراقی دھڑوں نے ابھی تک مسترد کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ نے مستقبل کی عراقی حکومت کے حوالے سے کئی سرخ لکیریں متعین کی ہیں، جن کے مطابق صدر، وزیر اعظم، وزیر دفاع، وزیر اقتصادیات اور انٹیلی جنس چیف کو واشنگٹن سے منظوری لینا ہوگی۔ امریکیوں نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ حشد الشعبی کے ارکان کابینہ میں موجود نہ ہوں، جس سے عراق کی سیاسی فضا میں تعطل کے آثار پہلے ہی ظاہر ہو چکے ہیں۔

اس تناظر میں حشد الشعبی کے ایک سیاسی رہنماء نے لبنان کے الاخبار میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ عراق میں ہماری موجودگی مستقل ہے اور بیرونی دباؤ سے یہ مساوات نہیں بدلے گی۔ عراق پر دباؤ ڈالنے کا امریکی منصوبہ پرانا ہے، لیکن یہ آج کی تاریخ میں کامیاب نہیں ہوگا، یہ ناکام ہوگا، جیسا کہ پہلے ناکام ہوا تھا۔ انہوں نے مزید کہا: ''اگلی پارلیمنٹ مزاحمت کی سوچ سے ہم آہنگ ہوگی اور قانون سازی کے ذریعے حشد الشعبی کا دفاع کرے گی۔'' شیعہ رابطہ فریم ورک کے رہنماؤں میں سے ایک علی محی الدین نے بھی نئی حکومت کے تعین کے لیے ہونے والے مذاکرات کے بارے میں الاخبار کو بتایا کہ ''کوآرڈینیشن فریم ورک ایک متوازن حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو انتخابات کے نتائج اور عراقی عوام کی مرضی کی عکاسی کرے گا، نہ کہ امریکی سفارت خانے کی ترجیحات کو۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ حکومت کے ہاتھوں تک ہتھیاروں کی محدودیت ایک اہم مقصد ہے، جس پر ہم سب متفق ہیں، لیکن عراق کے دفاع میں لڑنے والی افواج کو اس محدودیت میں شامل نہیں کیا جائیگا۔''

بہر حال عراق کی موجودہ صورت حال سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکی نقطہ نظر کے برعکس، عراق میں صورتحال اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے کہ امریکی احکامات اور قراردادوں کے ذریعے ملکی سیاسی حالات پر اپنی مرضی مسلط کر سکیں۔ پارلیمنٹ میں شیعہ دھڑے کی اکثریت امریکی اقدامات و اہداف کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے، لیکن اس کے لئے تمام شیعہ حلقوں کو اپنے ذاتی مفادات پر ملکی و شیعی مفادات کو ترجیح دینا ہوگی۔ شیعہ الائینس اور وزیر اعظم کے مضبوط امیدوار محمد الشیاع سوڈانی اور نوری مالک کے لئے عراق کی موجودہ صورتحال ایک بڑے امتحان اور چیلنج سے کم نہیں، کیونکہ امریکہ سمیت علاقے کے عرب ممالک عراق کے بارے میں جو خواب دیکھ رہے ہیں، اس کا مقابلہ باہمی تعاون، ہم آہنگی اور عراق کی مرجعیت کو ساتھ لیکر ہی کیا جا سکتا ہے۔ عراقی عوام نے سوڈانی، مالکی اور حکیم جیسی شیعہ قیادت پر اعتماد کیا ہے۔ ان قائدین کو عوام کے اعتماد پر پورا اترنا ہوگا، ورنہ اگلے انتخابات برعکس نتائج کے حامل بھی ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

بلبل غزل سرا ہے یا حُسنِ گفتگو ہے

سید اظہر زیدی

تعارف: گفتگو کا عام فہم مطلب بات چیت، بول چال، کلام یا تقریر لیا جاتا ہے۔ گفتگو دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان خیالات، احساسات اور معلومات کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ گفتگو زبانی بھی ہوسکتی ہے، جیسے کہ دو افراد کی آمنے سامنے بات چیت، اور تحریری بھی ہوسکتی ہے، جیسے ای میل، میسنجر یا چیٹس کے ذریعے۔

گفتگو ایک فن ہے: کسی معاشرے کی تہذیب گفتگو کے انداز سے پہچانی جاتی ہے (ابن خلدون) اور انسان کی شخصیت کا پہلا تعارف اس کی گفت وشنید سے ہوتا ہے۔ بول چال میں ادب واحترام کا پہلو دلوں کے دروازے کو کھولنے کے لیے ایک کنجی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے خیالات کو خوبصورت الفاظ کا روپ دینا کسی فن سے کم نہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں قران واحادیث نے گفتگو کے ادبی چراغوں کو کس طرح سے روشن کیا ہے۔

قرآن میں گفتگو کے آداب:

۱۔ سورہ لقمان آیت ۱۹ میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو دھیمی آواز سے گفتگو کرنے کی تلقین کی اور ساتھ ہی اونچی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی۔

۲۔ جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے دھیمی آواز میں بات کرتے ہیں بلا شبہ ان کے دل اللہ نے تقویٰ کے لیے آزما لیے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے (سورہ حجرات ۳)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ایک عظیم اخلاقی اور روحانی اصول سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزما لیا یعنی ان کا ادب، ان کی عاجزی اور ان کا احترام اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے دل اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ بزرگوں، علماء، والدین، اساتذہ اور ہر باعزت مقام رکھنے والے کے سامنے لہجہ نرم اور مؤدبانہ ہونا چاہیے۔

۳۔ سورہ طٰہٰ آیت ۴۴ میں حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ اس (فرعون) سے نرم بات کہنا۔ یہاں تک کہ سب سے سرکش شخص سے بھی نرمی کے ساتھ بات کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

۴۔ سورہ مؤمنون، آیت ۳: وہ لغو باتوں سے دور رہتے ہیں۔ فضول، بے مقصد یا دل دکھانے والی بات مؤمن کی شان نہیں۔

۵۔ سورہ انعام، آیت ۱۵۲: اور جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔ گفتگو میں دیانت، سچائی اور عدل بنیادی شرائط ہیں۔

۶۔ سورہ احزاب، آیت ۷۰: سیدھی سچی بات کیا کرو۔ گفتگو صاف، حق پر مبنی اور ذمہ دارانہ ہونی چاہیے۔

۷۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۵۳: میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بہترین بات کریں۔ (بہترین الفاظ، بہترین انداز اور بہترین نیت سے بات ہو۔)

۸۔ گفتگو تحقیق کے ساتھ ہونی چاہیے جیسے ہدہد نے حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ میں آپ کے لیے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ نمل ۹۲۲۔ گفتگو میں فضول اور بے مقصد لغویات کی آمیزش نہیں ہونی چاہیے۔ حج ۳۰

احادیث کی رو سے:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے ان کے درجے کے مطابق بات کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تکذیب ہو؟ (صحیح مسلم)۔

مخاطب کی سطح، ذہن، قابلیت، عمر اور فہم کے مطابق گفتگو کرنے سے بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اَللِّسَانُ مِیزَانُ الْاِنْسَانِ۔ ترجمہ: زبان انسان کی میزان اور ترازو ہے (یعنی انسان کی شرافت اور اس کی

بزرگی یا پستی اس کی زبان سے سمجھی جاتی ہے)۔غرر الحکم ص۲۰۹،اللسان میزان،حدیث ۱۴۰۲۱۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں مومنین سے خنداں پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ گفتگو کرنی چاہئے، اور وہ بھی نیکی اور اچھائی سے، اور مخالفوں سے اس طرح گفتگو کرو کہ ان کے لئے ایمان کے دائرہ میں داخل ہونے کا راستہ ہموار ہو جائے۔امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: دشمنان خدا کے ساتھ تواضع و مدارات سے پیش آنا، اپنے اور دوسرے مومنین کی طرف سے صدقہ ہے۔تفسیر صافی۔

اختلاف رائے میں بردباری کا مظاہرہ: احترام سے کی گئی بات اختلاف کے کانٹے کو شائستگی کے پھول میں بدل کر سننے والے کے لیے خوشبو بکھیرتی ہے۔ایسا نہ ہو کہ سامع کو کہنا پڑے کہ۔۔

ناصح تجھے آتے نہیں اندازِ نصیحت
ہر لفظ تیرا دل میں چبھن چھوڑ رہا ہے

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے معاشرتی سیٹ اپ میں اونچی آواز سے گفتگو کرنا، گستاخانہ اور جاہلانہ انداز اپنانا اور ایک دوسرے کے ساتھ مؤدبانہ روش اختیار نہ کرنا عام ہے۔خاص طور پہ غصے، بحث مباحثہ میں خلاف طبیعت اگر کوئی بات ناگوار گزرے تو ہم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ بقول مومن،

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

گفتگو میں شائستگی کا پہلو: گفتگو جب تہذیب اوڑھ لیتی ہے تو لفظ نہیں کردار بولنے لگتے ہیں۔ چہرے کے تاثرات، باڈی لینگویج، باوقار انداز اور نرم لہجہ نیز سامع کے عزت، مقام اور جذبات کو ملحوظ خاطر رکھنا، گفتگو کے اہم عناصر ہیں۔بقول فراز،

گفتگو اچھی لگی ذوقِ نظر اچھا لگا
لگامدتوں کے بعد کوئی ہمسفر اچھا لگا

گفتگو کا ماحول:

گفتگو اُس وقت مؤثر ہوتی ہے جب ماحول پرسکون ہو، ذہن یکسو ہو، اور کان الفاظ کو پوری توجہ سے سن سکیں۔شور شرابہ، ہنگامہ، بلند آوازیں، موسیقی یا غیر ضروری گفتگو سب مل کر بات چیت کے حسن کو متاثر کرتے ہیں۔یہ یقین کر لیں کہ آپ کا موبائل سائلنٹ موڈ پر ہے۔خاموشی، سکون، اعتدال اور نرمی ماحول کے بنیادی عناصر میں سے ہیں۔گفتگو ایک دوطرفہ منظم ٹریفک کی مانند ہے۔اچھی گفتگو کا اصل حسن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں جانب "آنے جانے" یعنی بولنے اور سننے کے راستے کھلے ہوں۔بولنے والا سلیقے اور نرمی سے کہے، اور سننے والا صبر اور توجہ کے ساتھ سنے۔یہی توازن گفتگو کو مثبت، بامقصد اور دل نشین بناتا ہے۔گفتگو کو پُراثر کیسے بنایا جائے: قرآن و حدیث کی روشنی میں موثر گفتگو درج ذیل نکات کے ذریعے ممکن ہے: خطاب یا تقریر کی صورت میں، سلام اور تعارف سے گفتگو کا آغاز کریں۔سامعین اور منتظمین کی زحمتوں کو سراہیں اور ان کی کاوشوں کے لیے تعریفی جملے ادا کریں۔

خود کو زیادہ نہ جتلائیں، اپنی قابلیت کا بہت زیادہ مظاہرہ کرنے سے گریز کریں۔دلائل سے بات کریں۔اگر آپ کی رائے مختلف ہے تو دلیل سے بات کریں، زبردستی اپنا موقف نہ ٹھونسیں۔لکھ کر مشق کریں، سامعین سے مخاطب ہونے سے پہلے جو کچھ کہنا ہے وہ لکھ لیں اور کن نکات پر توجہ مرکوز کرنی ہے یہ سوچ لیں۔سقراط کا کہنا ہے کہ بولنے سے پہلے خود سے تین سوال کریں کیا یہ ضروری ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ نرم ہے؟ ممکنہ سوالات کے جوابات پہلے سے سوچ لیں تا کہ آپ کسی بھی صورتحال کے لیے تیار رہیں۔

سماعت کو اہمیت دیں، جب کوئی اور بول رہا ہو تو اس میں مکمل دلچسپی کا اظہار کریں، اس سے آپ کا مثبت تاثر قائم ہوگا۔یاد رہے گفتگو کے بیانیے میں کسی کی تحقیر، تذلیل، تمسخر یا مذاق اڑانا شریف سامعین دلوں پر اچھے اثرات مرتب نہیں کرتا۔ذمہ دارانہ گفتگو کا مظاہرہ کریں، اختلاف رائے کی صورت میں تحمل کریں اور فوراً ہاپر نہ ہو جائیں۔موقع محل، سامعین کے مقام و شرف کا خیال رکھتے ہوئے بات کریں۔وقت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔مقررہ وقت سے چند لمحے پہلے ختم کرنے کی کوشش کریں۔کسی جملے کا بار بار تکرار نہیں کرنا چاہیے۔اگر گفتگو میں کوئی پہلو قابلِ اصلاح ہو تو تنقید کرنے والے کے اخلاص کا خیر مقدم کریں اور اس کی بصیرت کی داد دیں۔کیونکہ ناقد ایک باغباں کی طرح تراش خراش سے پودوں کے حُسن کو پروان چڑھاتا ہے۔بقول علامہ اقبال

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

☆☆☆☆☆

اسرائیل کا ڈراؤنا خواب کیا ہے؟

تحریر: ڈاکٹر صابر ابو مریم
سیکرٹری جنرل فلسطین فاؤنڈیشن پاکستان

غاصب صیہونیوں کی ناجائز ریاست اسرائیل جو 1948ء میں فلسطین پر قائم کی گئی تھی، ہمیشہ سے ایک ڈراؤنے خواب کا سامنا کر رہی ہے۔ اس خواب کی مختلف وجوہات ہیں، جن کو متعدد صیہونی تجزیہ نگاروں اور محققین نے بھی بیان کیا ہے۔ ان تمام وجوہات کی طرف جانے سے قبل یہ بات بھی اہم ہے کہ کیونکہ اسرائیل ایک ایسے ناجائز طریقہ سے قائم کیا گیا کہ جس میں دوسروں کے وطن پر قبضہ کیا گیا اور اپنے وطن کا اعلان کر کے مقامی لوگوں کو ان کے وطن سے جبری بے دخل کیا گیا، تاہم یہ ایک ایسا بنیادی خطرہ بن گیا کہ جو ہمیشہ اسرائیل کو یاد دلواتا ہے کہ تمھاری بنیاد ہی غلط ہے اور غلط بنیادوں پر تعمیر کی جانے والی عمارت کبھی نہ کبھی تو گرتی ہی ہے۔ لہذا غاصب صیہونی ریاست اسرائیل کا سب سے بھیانک اور ڈراؤنا خواب یہی ہے کہ کبھی نہ کبھی اسرائیل کو ختم ہونا ہوگا۔

یہی ڈراؤنا خواب حالیہ دنوں میں زیادہ شدت اختیار کر چکا ہے، کیونکہ سات اکتوبر کے بعد اس وقت ہر صیہونی آبادکار اور خاص طور پر غاصب صیہونی حکومت کا وزیر اعظم نیتن یاہو بھی اس کرب میں مبتلا ہے اور اسرائیل کبھی بھی بے چینی سے نجات نہیں پا سکے گا۔ اسرائیل اور اس کے عہدیداروں کو ہمیشہ ایک مستقل اور وجودی نوعیت کی گھبراہٹ لاحق رہتی ہے، یعنی یہ کہ کیا وہ (اسرائیل) یا اس کے عہدیدار باقی رہیں گے۔؟ یا پھر یہ کہ اسرائیل ختم ہو جائے گا۔؟ کیا سو سال بعد، بیس سال بعد، یا حتیٰ کہ پانچ سال بعد بھی وہ موجود ہوگا یا نہیں۔؟ یہی وہ ڈراؤنا خواب ہے، جو اندر ہی اندر نیتن یاہو کو بھی کھائے جا رہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اسرائیل ترقی یافتہ ہے۔ کس چیز میں ترقی یافتہ ہے۔؟ اس کے تمام ہتھیار امریکی اور مغربی ممالک سے آئے ہیں۔ حقیقت میں اسرائیل تو صرف ایک بہت بڑی چھاؤنی نما مرکز یا خطے میں مغرب کا تیار شدہ فوجی اڈہ ہے۔ اسی وجہ سے وہاں حقیقی ترقی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ حقیقی ترقی تو یہ ہے کہ شہری کو یہ احساس ہو کہ وہ ایسے علاقے میں زندگی گزار رہا ہے، جہاں اسے قبول کیا گیا ہے اور اسے خوش آمدید کہا گیا ہے۔ لیکن یہاں تو ہر صیہونی آبادکار رات کو اس خوف سے سوتا نہیں ہے کہ کب اسرائیل ختم ہو جائے۔ یعنی صیہونی آبادکار ایک ڈراؤنے خواب کے ساتھ سوتے ہیں اور ان کی زندگیاں بے چین ہو چکی ہیں۔

غاصب صیہونی ریاست اسرائیل کا وجود 1948ء میں عمل میں آیا، مگر ابتدا سے ہی یہ غاصب ریاست ایک ایسے ماحول میں وجود میں آئی، جسے خود اسرائیلی ماہرین مسلسل عدمِ تحفظ کی فضا کہتے ہیں۔ یہ احساس صرف بیرونی خطرات تک محدود نہیں بلکہ داخلی سیاست، demography، مذہبی اختلافات، عالمی سفارتی تنہائی، اور تاریخی محرکات بھی شامل ہیں۔ نتیجتاً اسرائیل کے اندر یہ خدشہ وقتاً فوقتاً ابھرتا جا رہا ہے کہ صیہونیوں کے لئے بنائی گئی یہ غاصب ریاست کسی بھی وقت شدید بحران یا انہدام کی طرف جا سکتی ہے۔ صیہونیوں کے لئے یہ ڈراؤنا خواب متعدد وجوہات کی بنا پر ہے، جن میں سے اکثر و بیشتر صیہونی رہنماؤں نے خود تشکیل دی ہیں۔

مثال کے طور پر غاصب صیہونی ریاست اسرائیل کے ابتدائی لیڈروں نے ریاستی بقا کے لیے مسلسل خطرے کا بیانیہ تشکیل دیا، جسے فوج، میڈیا اور تعلیمی نظام نے تقویت دی۔ اب یہی خود کا بیانیہ حقیقت کی صورت دھار چکا ہے۔

غاصب صیہونیوں سمیت عہدیداروں اور صیہونی رہنماؤں کے ڈراؤنے خواب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسرائیل ایک انتہائی محدود رقبے پر قائم ہے، جہاں

وسیع آبادی اور کم strategic depth کے باعث کسی بڑی جنگ میں پورا ملک محاذ بن جاتا ہے۔ اسی لیے اسرائیلی ماہرین اسے پتلے گلے والی بوتل قرار

دیتے ہیں۔ اس کی مثال حالیہ جنگ میں بھی دیکھی گئی ہے۔

اسی طرح غاصب صیہونی حکومت چونکہ ایک قابض اور ناجائز ریاست ہے، تاہم اس کے پڑوس کے ممالک بھی اس کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ امن کے معاہدے کیے گئے ہیں، لیکن فلسطینی تنازعہ حل نہ ہونا، لبنان اور شام کے محاذ اور ایران کے ساتھ کشیدگی سمیت عرب عوام کی شدید مخالفت جیسے عوامل اسرائیل میں یہ خوف بڑھاتے ہیں کہ اگر حالات بگڑ گئے تو بقا مشکل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اسرائیل کی نابودی کا ڈراؤنا خواب ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ تقویت اختیار کر رہا ہے۔ 7 اکتوبر 2023ء کو پیش آنے والے طوفان اقصیٰ کے واقعے نے اسرائیلی سوچ کو بنیادی طور پر ہلا دیا ہے۔ طوفان اقصیٰ نے اسرائیل کے سکیورٹی بھرم کو خاک میں ملا دیا۔

اسرائیل کو یقین تھا کہ دفاعی نظام، خفیہ ایجنسیاں اور سپر پاور اتحاد اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیتے ہیں، لیکن نتائج نے ثابت کیا کہ اسرائیل مکڑ کے جالے سے زیادہ کمزور ہو چکا ہے۔ لہٰذا 7 اکتوبر نے اسرائیل کے ناقابل تسخیر ہونے کے تصور مکمل طور پر توڑ کر رکھ دیا۔ عالمی سطح پر تنہائی نے بھی اسرائیل کو ایک ڈراؤنے خواب میں مبتلا کر دیا ہے کہ اب اسرائیل کو کبھی نہ کبھی ختم ہونا پڑ سکتا ہے۔ یورپ میں بڑے پیمانے پر احتجاج، امریکہ کی نئی نوجوان نسل کی اسرائیل مخالف رائے، اقوامِ متحدہ میں تنقید، عالمی عدالتوں کے مقدمات، یہ سب اسرائیل کے لیے بڑھتے ہوئے خطرات ہیں۔ معاشی خطرات میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اور مسلسل جنگوں، ہجرت، سرمایہ کاری کی کمی اور معاشرتی دباؤ نے اسرائیلی معیشت کو کمزور کیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہزاروں صیہونی آبادکاروں کا قبرص اور دیگر ممالک کی طرف ہجرت کر جانا، اس ڈراؤنے خواب کو تقویت فراہم کرتا ہے کہ صیہونی غاصب ریاست کو ایک نہ ایک دن نابود ہونا ہے۔ دنیا یک قطبی سے کثیر قطبی نظام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اسرائیل کے لئے یہ ایک اور ڈراؤنا خواب ہے۔ امریکہ کی کمزور ہوتی طاقت اور چین، روس، ایران، سمیت دیگر ممالک کے نئے کردار اسرائیل کے لیے نئے چیلنجز ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسطینی مزاحمت جو غزہ، لبنان، شام، عراق اور یمن میں موجود ہے، اس مزاحمت کے اتحاد نے بھی اسرائیل کے لیے وجودی خدشات میں اضافہ کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو مدنظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اسرائیل اور اس کے عہدیداروں اور صیہونی آبادکاروں کا یہ خوف یا اسرائیل کی نابودی کا ڈراؤنا خواب سو فیصد حقیقی اور نظریاتی بھی ہے۔ اسی لیے اسرائیل کے اندر خود ماہرین بارہا کہتے ہیں کہ اگر یہ مسائل حل نہ ہوئے تو ریاست مستقبل میں کمزور ہو سکتی ہے۔ یہی وہ ڈراؤنا خواب ہے، جو ہمیشہ غاصب صیہونی ریاست کے دل و دماغ میں بے چینی کو جاری رکھے گا۔ یہی فلسطینی عوام، ان کی مزاحمت اور مزاحمت کی حمایت کرنے والے اتحادیوں کی کامیابی ہے۔

☆☆☆☆☆

گفتارِ دلنشیں

دنیا کے مختلف علاقوں میں مداخلت نے امریکا کو اقوام کے درمیان روز بروز زیادہ نفرت انگیز بنا دیا ہے

رہبر انقلاب اسلامی

27 نومبر 2025 کی رات ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے تسلط پسند طاقتوں کی مداخلت اور حرص و طمع کے مقابلے میں اقوام کی مزاحمت و استقامت کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ مزاحمت کی عظیم تحریک جس کی بنیاد ایران میں رکھی گئی اور یہیں وہ پروان چڑھی، آج دنیا کے مختلف علاقوں منجملہ مغربی ملکوں اور حتی امریکا تک میں فلسطین اور غزہ کی حمایت میں لگائے جانے والے نعروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی نے خطے کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بارہ روزہ جنگ میں ایرانی قوم نے یقینی طور پر امریکا کو بھی اور صیہونی حکومت کو بھی دھول چٹا دی، انھوں نے ایران میں شیطنت کی لیکن انھیں مار پڑی اور وہ خالی ہاتھ لوٹ گئے، وہ اپنا کوئی بھی ہدف حاصل نہیں کر سکے اور یہ حقیقی معنی میں ان کے لیے ایک شکست تھی۔

انھوں نے ایران کے ساتھ جنگ کے لیے صیہونی حکومت کی بیس سالہ منصوبہ بندی کی رپورٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ایک ایسی جنگ کی منصوبہ بندی کی تھی جس میں وہ ایرانی قوم کو ورغلا کر لوگوں کو نظام کے خلاف جنگ کے لیے تیار کر سکیں لیکن معاملہ الٹا پڑ گیا اور وہ اس طرح سے ناکام ہوئے کہ جو لوگ نظام سے کچھ باتوں میں اختلاف رکھتے تھے، وہ بھی نظام کے ساتھ آ کھڑے ہوئے اور ملک میں ایک عمومی اتحاد پیدا ہو گیا۔

آیت اللہ خامنہ ای نے کہا کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیں نقصان ہوا اور جنگ کی فطرت کے مطابق ہماری کچھ عزیز ہستیاں ہم سے بچھڑ گئیں لیکن اسلامی جمہوریہ نے دکھا دیا کہ وہ عزم و قوت کا مرکز ہے اور شور و غل سے بے پروا ہو کر پوری طاقت سے ڈٹ سکتی ہے اور فیصلہ کر سکتی ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہے کہ ہمیں جو مادی نقصان ہوا اس سے کہیں زیادہ جارح دشمن کو ہوا۔

انھوں نے بارہ روزہ جنگ میں امریکا کو ہونے والے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس جنگ میں امریکا کو بہت زیادہ نقصان ہوا کیونکہ وہ حملے اور دفاع کے اپنے جدید اور پیشرفتہ ترین ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے باوجود ایرانی قوم کو فریب دینے اور اسے اپنے ساتھ ملانے کے اپنے ہدف میں کامیاب نہیں ہوا بلکہ قوم کا اتحاد مزید مضبوط ہوا اور اس نے امریکا کو بھی ناکام کر دیا۔

رہبر انقلاب اسلامی نے تاریخ کے سب سے بڑے المیوں میں سے ایک کی حیثیت سے غزہ کے المیے میں صیہونی حکومت کی شدید رسوائی اور بدنامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس معاملے میں امریکا، غاصب حکومت کے ساتھ کھڑا ہوا اور وہ بھی بری طرح سے رسوا اور بدنام ہوا کیونکہ دنیا کے لوگ جانتے ہیں کہ صیہونی حکومت امریکا کے بغیر، اس سطح کا المیہ پیدا کرنے کی

طاقت نہیں رکھتی۔ انھوں نے صیہونی حکومت کے وزیر اعظم کو آج کی دنیا کا سب سے نفرت انگیز شخص اور صیہونی سرغناؤں کو دنیا کا سب سے نفرت انگیز تنظیم اور گینگ بتایا اور کہا کہ چونکہ امریکا ان کے ساتھ کھڑا ہوا، اس لیے صیہونیوں کے سلسلے میں پائی جانے والی نفرت اس میں بھی سرایت کر گئی ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای نے دنیا کے مختلف حصوں میں امریکا کی مداخلت کو، اس کے روز بروز زیادہ سے زیادہ الگ تھلگ پڑتے جانے کا ایک سبب بتایا اور کہا کہ کسی بھی خطے میں امریکا کی مداخلت جنگ، نسل کشی، تباہی اور لوگوں کے بے گھر ہونے کا سبب ہے۔

انھوں نے مجرم صیہونی گینگ کی حمایت کے بدلے میں امریکا کی جانب سے اپنے دوستوں تک سے غداری اور تیل اور زیر زمین ذخائر کے لیے جنگ بھڑکانے کی کوشش کا ذکر کیا جس کا دائرہ بڑھ کر اب لاطینی امریکا تک پہنچ گیا ہے۔ رہبر انقلاب اسلامی نے کہا کہ اس طرح کی حکومت یقینی طور پر ایسی حکومت نہیں ہے جس سے اسلامی جمہوریہ تعاون کرنا اور رابطہ قائم کرنا چاہتی ہو۔ انھوں نے یوکرین کی انتہائی نقصان دہ اور بے نتیجہ جنگ کو امریکا کی مداخلت کا ایک نمونہ بتایا اور کہا کہ امریکا کے موجودہ صدر، جو کہہ رہے تھے کہ تین دن میں اس جنگ کے مسئلے کو حل کر دیں گے، اب قریب ایک سال بعد ایک اٹھائیس نکاتی منصوبہ اس ملک پر تھوپ رہے ہیں جس کو خود انھوں نے جنگ میں دھکیلا تھا۔

رہبر انقلاب اسلامی نے لبنان پر صیہونی حکومت کے حملوں، شام پر اس کی جارحیت اور غرب اردن میں اس کے جرائم اور اسی طرح غزہ کی افسوس ناک صورتحال کو امریکا کی جانب سے منحوس صیہونی حکومت کی جنگ و جرائم کی کھلم کھلا حمایت کا ایک اور نتیجہ قرار دیا۔ انھوں نے ایران کی جانب سے امریکا کو پیغام بھیجے جانے کے بارے میں بعض افواہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ اس طرح کی افواہیں اڑاتے ہیں کہ ایران کی حکومت نے فلاں ملک کے ذریعے امریکا کو پیغام بھیجا ہے، یہ سفید جھوٹ ہے اور قطعی طور پر اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای نے اپنے خطاب کے ایک دوسرے حصے میں بسیج (رضا کار فورس) کی ماہیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ بسیج، اپنے تنظیمی ڈھانچے میں اور سپاہ پاسداران کے ایک حصے کے طور پر، دشمنوں کے مقابلے میں ایک پر عزم چہرہ اور عوام کے سامنے ایک خدمت گزار چہرہ رکھتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ اہم، بسیج کا انتہائی وسیع دائرہ ہے جو پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے اور معیشت، صنعت، سائنس وٹیکنالوجی، یونیورسٹی، دینی مدارس، پروڈکشن، کام کاج اور دیگر تمام میدانوں میں ہر غیور، کام کے لیے تیار، پر جوش اور پر امید شخص اور ادارے میں اس کی تجلی دیکھی جا سکتی ہے۔ انھوں نے بسیج کے زندہ اور پر نشاط ہونے کو، دنیا کے ستمگروں کے مقابل اقوام کی مزاحمت میں پیشرفت کا سبب بتایا اور کہا کہ دنیا بھر کے مستضعف لوگ، مزاحمت کی پیشرفت سے طاقت اور پشت پناہی کا احساس کرتے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے بسیج کے بارے میں مزید کہا کہ تمام حکومتی اداروں کے ذمہ داروں کو ایک رضا کار کے طور پر اپنی ذمہ داریوں پر ایمان، جوش اور غیرت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے۔ انھوں نے اپنے خطاب کے آخر میں ایرانی قوم کو کچھ نصیحتیں کرتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلی نصیحت قومی اتحاد کی حفاظت و تقویت ہے۔ انھوں نے کہا کہ مختلف طبقات اور سیاسی دھڑوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلے میں بارہ روزہ جنگ کی طرح متحد رہیں اور یہ اتحاد، قومی طاقت کا ایک انتہائی اہم عنصر ہے۔

☆☆☆☆☆

بمناسبت یوم پیدائش

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے ابتدائی حالات

تحریر و تحقیق: عزادار حسین

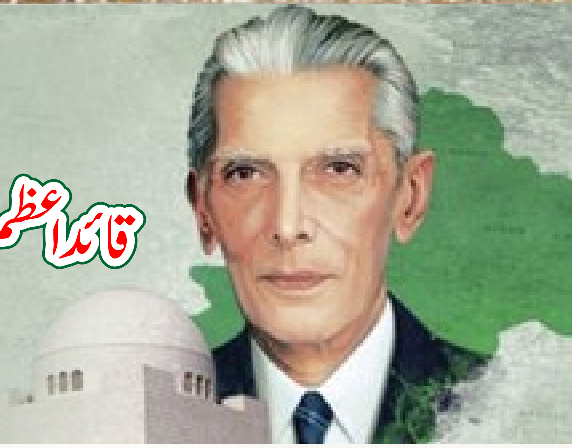

قائداعظم محمد علی جناح کے دادا کاٹھیاواڑ کے گونڈل شہر کے ایک گاؤں پنیلی میں رہائش پذیر تھے۔قائد اعظم کے دادا پونجا بھائی کی چار اولادیں تھیں: سب سے بڑی اور اکلوتی بیٹی مان بی ، بڑے بیٹے والجی، منجھلے بیٹے ناتھو بھائی اور چھوٹے بیٹے قائداعظم کے والد بزرگوار جن کا نام جناح پونجا تھا۔اس وقت پنیلی کی آبادی ایک ہزار سے کم تھی جناح بھائی پیدائش کے وقت بہت دبلے اور کمزور تھے اسلئے دیکھنے والوں نے انہیں جھینا کہنا شروع کر دیا۔جھینا کے معنی کمزور کے ہیں اردو زبان میں جھینا تقریبا انہی معنوں میں بولا جاتا ہے جناح بھائی نے گھر پر ہی معمولی تعلیم حاصل کی تھی۔

پنیلی کے چھوٹا گاں ہونے کی وجہ سے وہاں پر کاروباری مواقع زیادہ نہ تھے۔جبکہ جناح بھائی کا کاروبار بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتا جارہا تھا۔کاروبار کی وسعت کی وجہ سے جناح بھائی آبائی گاؤں سے نکل کر گونڈل شہر میں آگئے۔جہاں انہوں نے اپنے کاروبار پر بھر پور توجہ دی جس کے نتیجے میں جناح بھائی کو کافی منافع ہونے لگا۔اس کامیابی پر ان کے والد بے حد خوش تھے۔مگر پونجا بھائی ان کی کمزور صحت کی وجہ سے خاصے پریشان تھے۔بیٹی اور دونوں بڑے بیٹوں کی شادیاں وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔اب انہیں اپنے چھوٹے اور ہونہار بیٹے کی شادی کے لئے اچھے رشتے کی تلاش تھی۔انہیں ایک پتلی دبلی اور خوش مزاج لڑکی گونڈل شہر سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ڈھرفا میں ایک باعزت خاندان کی اسماعیلی خوجہ لڑکی مل گئی یہ خوبصورت لڑکی ہنس مکھ اور خوش مزاج ہونے کی وجہ سے میٹھی بائی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ان کے والد کا نام موسی جمعہ تھا۔ جبکہ میٹھی بائی کا نام شیریں بی بی تھا۔فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ میرے والد جناح پونجا اور میری والدہ میٹھی بائی کی شادی ڈھرفا میں، میں ہوئی تھی۔

کاروبار میں مزید جیسے جیسے وسعت ہونے لگی جناح بھائی کو گونڈل شہر بھی چھوٹا محسوس ہونے لگالہذا جناح بھائی نے اپنے والد کو اس بات پر تیار کرلیا کہ وہ کراچی میں بھی کاروبار کریں آخر کار انہوں نے گونڈل سے کراچی جا کر کاروبار کرنے کا ارادہ کرلیا۔اس وقت کراچی ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی آبادی پچاس ہزار نفوس پر مشتمل تھی جہاں پہنچ کر کھارادر کے مقام پر نیونہم روڈ پر دو کمروں کا ایک فلیٹ کرائے پر حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے جہاں وہ اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر ہو گئے۔کچھ عرصہ کراچی کے کاروباری ماحول کو سمجھنے کے بعد بولٹن مارکیٹ کے قریب والجی اینڈ کمپنی کے نام سے جناح بھائی نے اپنے کاروبار کی شروعات کر دی۔ان کا کاروبار چمڑے، گوند اور خشک مچھلیوں کا تھا۔مگر ان کی توجہ زیادہ تر بیرونی تجارت پر مرکوز ہوگئی اور وہ بہت جلد بڑے برآمدی تاجر بن گئے۔انہوں نے برطانوی تجارتی کمپنیوں کے ساتھ کاروبار شروع کیا۔

محمد علی جناح کے اجداد اور ان کی پیدائش:

قائداعظم کے شجرہ نسب پر جب نظر جاتی ہے تو ان کے پردادا کا نام ہیر جی بتایا جاتا ہے ان کے بیٹے میگھ جی اور میگھ جی کے بیٹے کا نام پونجا بھائی تھا پونجا بھائی یا جناح پونجا میگھ جی کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔پونجا بھائی قائداعظم محمد علی جناح کے والد تھے۔جناح پونجا کے ہاں سات بچوں کی ولادت ہوئی جن کے نام محمد علی، رحمت علی، مریم، احمد علی، شیریں، فاطمہ اور بندے علی تھے یہ بات محترمہ فاطمہ جناح کے قول کے سامنے درست تسلیم نہیں کی جاسکتی ہے۔جنھوں نے اپنے بہن بھائیوں کی تعداد سات بتائی ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح جو قائداعظم کی چھوٹی بہن اور ان کی قریبی ساتھی تھیں لکھتی ہیں کہ میرے والدین نے دو کمروں کا ایک پر وقار گھر نیونہم روڈ پر کرائے پر لیا تھا۔نیونہم روڈ کی پتلی گلیوں میں آج بھی وہ گھر موجود ہے۔جس میں بالکونیاں بنی ہوئی ہیں جہاں محمد علی جناح پیدا ہوئے انکی پیدائش نیونہم روڈ کھارادر کے

مکان کی بالائی منزل پر ہوئی تھی۔ جو وزیر مینشن کے نام سے موسوم ہے یہ دو کمروں پر مشتمل ایک مختصر سا فلیٹ تھا۔ جس کو جناح پونجا نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اس مکان میں محمد علی جناح سے متعلق بہت ساری چیزیں آج بھی محفوظ ہیں۔ جہاں حکومت پاکستان نے ایک لائبریری بھی قائم کردی ہے۔ اس مکان کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری مرکزی حکومت کی ہے۔

محمد علی جناح کی تاریخِ پیدائش

قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش کے ضمن میں ہمیں مختلف کتابوں میں مختلف تاریخیں ملتی ہیں۔ مطلوب الحسن سید جو قائداعظم کے پرایئویٹ سکریٹری بھی رہے اپنی کتاب جناح: اے پولیٹکل اسٹڈیز میں تحریر کرتے ہیں کہ قائداعظم کرسمس کے دن کو اتوار کے روز پیدا ہوئے۔ مگر محمد علی جناح کے اسکول کے ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی ہے۔ بعض بیانات اور تحریروں میں محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش کچھ اور ملتی ہے۔ مگر محققین کی اکثریت کا اتفاق محمد علی جناح کی پیدائش کے سلسلے میں دسمبر پر ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والے بچے محمد علی جناح، جس کو مسلمان قوم نے قائداعظم کے عظیم خطاب سے نوازا کی پیدائش صبح اذان کے وقت ہوئی گھر کی بالائی منزل پر ہوئی۔ اس وقت کراچی میں مشکل ہی سے کہیں زچہ خانہ ہوتا ہوگا۔ گھر پر ہی ایک ماہر دایا کا انتظام کردیا مگر یہ بچہ بہت کمزور اور دبلا پیدا ہوا جس کے پتلے پتلے لمبے ہاتھ تھے، سر لمبوترا تھا، والدین اس کی صحت کی وجہ سے بہت پریشان تھے جناح پونجا کے پہلے فرزند کے پیدا ہونے پر سارے گھر میں خوشیاں منائی گئیں۔ سماجی قاعدے کے مطابق بچے کے والدین کو مبارک باد دینے اور بچے کو دیکھنے کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ پہلوٹھی کے اس بچے کا نام خاندانی روایات کے مطابق، بچے کے ماموں قاسم موسی نے محمد علی رکھا جناح پونجا اور ان کی بیگم نے اپنے پہلے بیٹے کے نام محمد علی جناح کو نیک فال تصور کیا۔ میٹھی بائی اپنے زمانے کی خوش عقیدہ خواتین میں سے تھیں۔ اس لئے محمد علی جناح کی پیدائش کے بعد انہوں نے اپنے شوہر سے اصرار کیا کہ بچے کو حسن پیر کے مزار پر لیجا کر وہاں عقیقہ کیا جائے۔ کیونکہ ان کی والدہ نے حسن پیر سے متعلق بہت سی کراماتی کہانیاں سن رکھی تھیں۔ بزرگ حسن پیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ان مسلمان صوفیا کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ یہ لوگ بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر حسن پیر کے مزار پر پہنچے جہاں پر انہوں نے چھوٹے بچے محمد علی کے سر کے بال منڈوائے حسن پیر کی درگاہ پر نذرانے دیئے جہاں پر انہوں نے بچے کے مراتب کی بلندی اور درازیِ عمر کے لئے دعائیں مانگیں ان رسوم سے فارغ ہوکر جناح پونجا کا خاندان بیل گاڑیوں کے ذریعے اپنے آبائی گاں پنیلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ جہاں جناح پونجا کے والدین اور بہن بھائیوں نے مسرتوں کیساتھ ان کا استقبال کیا۔ پنیلی میں چند دن قیام اور رشتے داروں سے میل ملاقاتوں کے بعد جناح پونجا اپنے خاندان کے ہمراہ کراچی واپس آ گئے۔

محمد علی جناح کی پہلی درس گاہ ان کا گھر تھا۔ جہاں انہوں نے ابتدائی تعلیم کے مدارج طے کئے۔ ان کی تعلیم و تربیت چھ سال کی عمر میں شروع کردی گئی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح کا کہنا ہے کہ میرے والدین نے گھر ہی پر ایک استاد کو گجراتی پڑھانے کے لئے مقرر کردیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اسکول جانے کی عمر سے بہت چھوٹے تھے اور قریب ترین اسکول بھی ہمارے گھر سے بہت دور تھا جب محمد علی جناح کچھ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئے تو ان کے والدین نے انہیں اسکول میں داخل کرادیا۔

فاطمہ جناح تحریر کرتی ہیں کہ ہماری پھوپی مان بائی بمبئی سے کراچی آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے والدہ پر زور دیا کہ محمد علی جناح کو تعلیم کے حصول کی غرض سے ان کے ساتھ بمبئی بھیج دیں اس وقت محمد علی جناح کا رجحان تعلیم سے زیادہ کھیل کی طرف تھا۔ جس وقت وہ گھر میں ہی پڑھ رہے تھے تب بھی ان کا زیادہ تر وقت کھیل میں ہی گذرتا تھا۔ لہذا جناح پونجا نے کوشش کی کہ محمد علی جناح کو ایسے اسکول میں داخلہ دلایا جائے جہاں کے طالبعلم اسکول سے زیادہ ترغیر حاضر نہ ہوتے ہوں اور گولیوں لٹوں، گلی ڈنڈا اور کرکٹ کو کتابوں پر ترجیح نہ دیتے۔ اس وقت محمد علی جناح کے ماحول کی تبدیلی ہی ان کو کھیل کود سے دور رکھنے کا علاج ہوسکتا تھا۔ اس لئے محمد علی کو پھوپی مان بائی کی تجویز پر ان کے ساتھ بمبئی بھیج دیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح بمبئی کے انجمن اسلام سکول بمبئی میں داخل کرادیئے گئے۔ یہی بات ان کے متعلق سندھ مدرسہ کے جنرل رجسٹر میں بھی درج ہے۔ بمبئی پہنچنے کے بعد جناح نے تعلیم کی طرف ذراسنجیدگی کے ساتھ توجہ دینا شروع کردی تھی۔ دوسری جانب کراچی میں محمد علی جناح کی والدہ اپنے اکلوتے اور پہلے بیٹے کی جدائی سے پریشان تھیں۔ ان حالات سے مجبور ہونے کے بعد جناح پونجا نے محمد علی جناح کو واپس کراچی بلوالیا۔ محمد علی جناح دوبارہ سندھ مدرس الاسلام میں داخل کو ہوا۔

کراچی آمد کے بعد اسکول سے فارغ اوقات میں محمد علی جناح کا مشغلہ گھڑ سواری تھا۔ اس وقت جناح پونجا کے پاس کئی گھوڑا گاڑیاں اور ان کے اصطبل

میں کئی اچھے گھوڑے موجود تھے۔انہوں نے ان میں سے ایک گھوڑا منتخب کیااور گھڑسواری کا شوق پورا کرنے لگے۔اس شوق میں ان کے اسکول کا ایک دوست کھارادر کے تاجر کریم قاسم کا بیٹا بھی شامل تھا۔دونوں مل کر اپنا شوق گھڑسواری کے ذریعے پورا کرتے۔دونوں ہر روز گھڑسواری کرتے کیونکہ محمد علی جناح کو گھڑسواری بہت پسند تھی۔وہ سوچتے تھے کہ گھوڑا اپنا سر کس طرح بلند رکھتا ہے۔سر کو اونچا رکھنا قوت اور طاقت کی نشانی ہے اسی طرح محمد علی جناح کو گنبد اور مینار بہت پسند تھے۔یہی سربلندی اور اعتماد آئندہ زندگی میں ان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔یہی وجہ تھی کہ وہ ساری زندگی ہر کام قوت اور اعتماد کے ساتھ کرتے تھے۔ان کے ہر کام میں ایک وقار کا پہلو ہمیشہ پوشیدہ رہتا تھا۔دورانِ تعلیم ہی محمد علی جناح کے والد جناح پونجا نے فیصلہ کرلیا کہ محمد علی جناح کو (Busines admistration) کاروباری نظم ونسق کی تربیت کیلئے تین سال کی مدت کے لئے انگلستان بھیج دیا جائے۔محمد علی جناح کے انگلینڈ بھیجنے کا سن کر جناح کی والدہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ برطانیہ ایک خطرناک ملک ہے میرے غیر شادی شدہ اور خوبصورت نوجوان بیٹے کو وہاں بھیجنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔اگر انہوں نے وہاں پر کسی انگریز عورت میم سے شادی کرلی تو یہ جناح خاندان کے لئے المیہ ہوگا لہذا پہلے محمد علی جناح کی شادی کردی جائے پھر انگلستان بھیجنے کا سوچا جائے۔جناح پونجا نے اپنی بیگم کے مشورے سے اتفاق کیا۔اب محمد علی جناح کے لئے ایک خوبصورت دلہن کی تلاش شروع کی گئی۔ان کی والدہ پنیلی کے ایک خوجہ خاندان سے واقف تھیں۔انہوں نے سوچا کہ یقینا اس خاندان کی لڑکی ایمی بائی جو بمبئی کے بڑے تاجر لیرا کھیم جی کی بیٹی تھیں محمد علی کے لئے ایک اچھی دلہن ثابت ہوگی۔جناح کے والدین نے اس معاملے میں بیٹے سے مشورہ کیا جو والدین کی رضا میں راضی ہو گئے۔محمد علی جناح نے زندگی میں صرف یہی ایک اہم فیصلہ خود نہیں کیا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جناح کو والدین کی فہم وفراست پر مکمل اعتماد تھا۔کسی ذریعے سے جناح پونجا نے بیٹے کے رشتے کی بات پکی کرنے کے بعد وہ بیٹے کی شادی کی غرض سے وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں پنیلی پہنچے فاطمہ جناح کا کہنا ہے کہ گاں کے لوگوں کو علم تھا کہ میرے والد نے بہت سرمایہ کمالیا ہے اور وہ لکھ پتی ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ اتنے لمبے فاصلے سے بارات لے کر پہنچے دلہن کے والدین نے دور دراز کا فاصلہ طے کر کے آنے والی بارات کا پنیلی گاؤں پہنچنے کو اپنی عزت افزائی تصور کیا۔جناح پونجا بھی لوگوں کے اندرونی جذبات سے واقف تھے۔انہوں نے پنیلی میں اپنی شہرت کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔وہ رشتے داروں دوستوں اور گاؤں کے ہر گھرانے کے سربراہ کو دینے کے لئے کراچی سے بے شمار تحائف لیکر آئے تھے۔جب یہ تحائف تقسیم کئے گئے تو یہ کم پڑ گئے۔انہوں نے اپنے رشتے کے ایک بھائی کو مزید تحائف خریدنے کے لئے شہر گونڈل بھیجا۔شادی کے دن محمد علی جناح کو سر سے پاؤں تلک پھولوں کے لمبے سہرے سے سجایا گیا تھا۔ان کی پھوپی نے ان کے سر پر سہرا باندھا تھا۔محمد علی جناح دولہا بننے کے بعد اپنے دادا کے گھر سے بارات لے کر سسرال روانہ ہوے۔جہاں پہنچنے کے بعد انہیں ایک اونچے تخت پر بٹھایا گیا۔گاؤں کے قاضی نے نکاح کی رسم ادا کی اور کچھ قرآن پاک کی آیات تلاوت کیں۔اس طرح محمد علی جناح ایمی بائی کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔اور ایمی بائی جناح خاندان کا ایک فرد بن گئیں۔دہلی کے ہفت روزہ اخبار انجام نے اپریل کو قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا کہ جب سے مسلم لیگ نے فنڈ جمع کرنا شروع کیا ہے اس وقت سے انجام کے خریداروں نے بہت زیادہ چندے دیئے ہیں۔اب خریداروں کا اصرار ہے کہ آپ سے آپ کی پیدائش کا وقت، تاریخ اور مقام معلوم کیا جائے۔تاکہ آپ کے اور مطالبہ پاکستان کے زائچے تیار کرا کے شائع کرائے جائیں۔اس کے جواب میں قائداعظم نے تحریر کیا کہ آپ کی مطلوبہ معلومات حسبِ ذیل ہیں۔وقت: علی الصبح، تاریخ: 25دسمبر 1876، مقام: کراچی۔جب پہلی مرتبہ قائداعظم کی سالگرہ منائی گئی تو پیغامِ تہنیت کا جواب دیتے ہوے قائداعظم نے فرمایا کہ میری سالگرہ کے موقعے پر ہندوستان کے مسلمانوں نے میری ذات کے لئے جن جذبات کا اظہار کیا ہے حقیقتاً میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں اور ان کا مشکور ہوں۔

☆☆☆☆☆

مغرب منصوبہ بناتا ہے، فیصلہ یمن کرتا ہے

بحیرۂ احمر اور باب المندب کا علاقہ ایک ایسے اسٹریٹجک تغیر کا گواہ ہے جو یمن کو خطے کی نئی ''فیصلہ ساز طاقت'' میں تبدیل کر چکا ہے۔ جب کہ مغربی اور علاقائی طاقتیں ''شراکتِ امنیت دریایی'' جیسے منصوبوں کے ذریعے صنعاء کے بڑھتے ہوئے عسکری اور بحری اثر کو روکنے کی کوشش کر رہی ہیں، یمن نے ثابت کر دیا ہے کہ جنگ اور محاصرے کے باوجود وہ نہ صرف اتحادوں اور اسرائیل کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہے بلکہ ایک نیا بازدارندگی کا توازن بھی مسلط کر رہا ہے۔ بحیرۂ احمر اور تنگۂ باب المندب آج ایسے غیر معمولی اسٹریٹجک واقعات کا مرکز بن چکے ہیں جنہوں نے یمن کو علاقائی اور عالمی توجہ کا محور بنا دیا ہے۔ یمنی فوج کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں اور اس کے بحری و سیاسی اثر و رسوخ کے پھیلاؤ کے ساتھ، مغربی اور علاقائی طاقتیں نئے اتحادوں اور منصوبوں کے ذریعے اس بڑھتے ہوئے اثر کو محدود کرنا چاہتی ہیں۔ اس کے برخلاف، صنعاء نے غیر معمولی مزاحمتی صلاحیت اور چابک دستی دکھائی ہے اور دباؤ کو سیاسی و عسکری کامیابیوں میں بدل دیا ہے۔ متعدد مغربی رپورٹس تصدیق کرتی ہیں کہ آج یمن بین الاقوامی اتحادوں اور صہیونی ریاست کے مقابلے میں پُرعزم کھڑا ہے اور خطے میں نئی بازدارندگی کی مساوات قائم کر چکا ہے۔ جبکہ مغرب مسلسل ''بحری سلامتی'' کی بات کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اب یمن اپنی مطلوبہ سکیورٹی خود مسلط کر رہا ہے۔ آج کا منظر نامہ ماضی جیسا نہیں، اور یمن جنگ و محاصرے کے باوجود خطے اور عالمی طاقت کے توازن میں مرکزی کردار ادا کرنے کی صلاحیت ثابت کر چکا ہے۔ بحری سلامتی کے نام پر مغربی سازش امریکہ، برطانیہ اور سعودی عرب یمن کی بحری قوت کو محدود کرنے کے لیے ایک نیا منصوبہ ''یمن میری ٹائم سکیورٹی پارٹنر شپ (YMSP)'' پیش کر چکے ہیں۔ بظاہر یہ منصوبہ جہاز رانی کے تحفظ اور اسمگلنگ کی روک تھام کے لیے ہے، لیکن اس کے پیچھے بڑا مقصد صنعاء کے باب المندب اور بحیرۂ احمر پر بڑھتے ہوئے کنٹرول کو محدود کرنا ہے۔ اس منصوبے کی افتتاحی نشست میں 30 سے زیادہ ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی، اور ریاض، لندن و یورپی یونین نے اس کی مالی معاونت کے لیے لاکھوں ڈالر فراہم کرنے کا اعلان کیا۔ لیکن مغربی ماہرین خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس سے پہلے کے مشابہ منصوبے اس لیے ناکام ہوئے کہ یمن میں عرب اتحاد کے زیرِ اثر حکومت کی سکیورٹی ڈھانچہ کمزور ہے اور وہ مکمل طور پر بیرونی حمایت پر منحصر ہے۔ امریکی تجزیہ کار اریک ناوارو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ منصوبہ محض پچھلی ناکام پالیسیوں کا اعادہ ہے، جس کا مقصد انصار اللہ کی بڑھتی ہوئی بحری طاقت کا مقابلہ کرنا ہے وہی مقصد جو عسکری کارروائیوں کے ذریعے حاصل نہ ہو سکا۔ لہٰذا مغربی طاقتیں نئے اوزاروں کے ذریعے وہ کامیابیاں واپس لینا چاہتی ہیں جو میدانِ جنگ میں کھو چکی ہیں، مگر زمینی حقائق ان کے نظریاتی منصوبوں سے کہیں مختلف ہیں۔ یمنی مزاحمت کے سامنے اتحاد کی ناکامی گزشتہ دو سال کے واقعات ثابت کرتے ہیں کہ سعودی عرب کی سربراہی میں بننے والا مغربی حمایت یافتہ اتحاد نہ یمن کے عوام کی ارادے کو توڑ سکا اور نہ ہی ان کی صلاحیتوں کو محدود کر سکا۔ ہزاروں امریکی اور اسرائیلی فضائی حملوں کے باوجود صنعاء کی میزائل اور بحری طاقت بدستور مضبوط اور مؤثر ہے۔ ناوارو کے مطابق یمنی فوج نے الحدیدہ اور باب المندب جیسے اسٹریٹجک علاقوں میں اپنے ٹھکانے برقرار رکھے ہیں اور طاقت کا توازن اپنے حق میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ یمنی فوج دفاعی حکمتِ عملی سے بڑھ کر پیشگی کارروائیوں کی طرف گئی ہے، اسرائیل سے منسلک جہازوں پر درست حملے کیے ہیں اور مغربی و علاقائی محاذوں کی تمام حساب کتاب کو درہم برہم کر دیا ہے۔ یمن کے ساحلی گارڈ کی دوبارہ تشکیل میں ناکامی نے بھی اتحاد کی سکیورٹی کا کمزور ڈھانچہ ظاہر کر دیا ہے اور اس کی بحری پوزیشن مزید کمزور ہوئی ہے۔ ہر نئے عسکری یا اقتصادی دباؤ کے جواب میں صنعاء اپنی سیاسی بصیرت

ماہنامہ افکارِ العارف

دسمبر 2025ء

اور داخلی قوت کے ساتھ اور زیادہ طاقتور ہو کر ابھری ہے۔ یہی یمنیوں کی ثابت قدمی ہے جس نے بحیرۂ احمر کو بدلتے ہوئے طاقت کے توازن کا میدان بنا دیا ہے۔ یمن کا پُراعتماد اور مضبوط موقف اسرائیل کے مقابل علاقائی اتحاد کے ساتھ لڑائی کے متوازی، یمن کی اسرائیل کے ساتھ براہِ راست مقابلہ آرائی خطے کی نمایاں ترین تبدیلیوں میں شمار ہوتی ہے۔ میڈیا رپورٹس تصدیق کرتی ہیں کہ آج یمن پورے اعتماد کے ساتھ اسرائیل کے سامنے کھڑا ہے اور کسی بھی جنگ بندی یا معاہدے پر اپنے شرائط مسلط کر رہا ہے۔ صنعاء نے اپنی بحری اور فضائی کارروائیوں کی معطلی کو اسرائیل کی جانب سے موجودہ معاہدوں کی پابندی سے مشروط کر دیا ہے جو اس تنازعے کی تاریخ میں بے مثال ہے۔ رپورٹس کے مطابق یمنی فورسز نے طویل فاصلے تک مار کرنے والے حملے کیے جو مقبوضہ علاقوں میں اہداف پر لگے، اسرائیلی فضائی ٹریفک کو معطل کیا اور اس کے دفاعی نظام تک رسائی حاصل کی۔ یہ عسکری کامیابی سیاسی استقامت کے ساتھ مل کر واشنگٹن کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اسرائیل کے بارے میں اپنی پالیسی، کم از کم یمن کے معاملے میں، دوبارہ ترتیب دے۔ امریکہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسرائیل سے اندھی وابستگی اب خطے میں اس کے مفاد میں نہیں۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اس مقابلہ آرائی نے یمن کی مستقل فیصلہ سازی کی قوت، علاقائی خودمختاری اور محاصرے و جنگ کے باوجود اپنی شرطیں منوانے کی صلاحیت کو واضح کر دیا ہے۔ مغربی منصوبے کا سیاسی پہلو اور اتحاد کے اندرونی اختلافات سیاسی محاذ پر دیکھا جائے تو ”یمن بحری سلامتی شراکت“ کا منصوبہ دراصل عرب اتحاد سے وابستہ ساحلی فورسز کی دوبارہ بحالی کی کوششوں کے لیے ایک پردے سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس منصوبے میں شریک گروہ بشمول امارات کے حمایت یافتہ جنوبی عبوری کونسل اور قومی مزاحمت بحرِ احمر اور عدن کی بندرگاہوں میں اپنی موجودگی مستحکم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہ بحیرۂ احمر پر مستقل اثر و رسوخ قائم رکھ سکیں۔ تاہم مغربی تجزیہ کاروں کے مطابق، یہ حکمتِ عملی عرب اتحاد کے حامی کیمپ کے اندر اختلافات کو گہرا کرتی ہے اور ان علاقوں میں سیکیورٹی کے فیصلوں کی وحدت کو کمزور بناتی ہے، جو ان کے کنٹرول میں ہیں۔ اس کے علاوہ، اس منصوبے کا بیرونی مالی امداد پر انحصار عدن کی حکومت کی سیاسی وابستگی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ یہ حکومت بغیر مدد فراہم کرنے والے ممالک کی براہِ راست نگرانی کے بحری مسئلے کا انتظام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس، صنعاء نے ان اختلافات کو اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے استعمال کیا ہے اور شمال میں ایک متحد مرکزی قوت کے طور پر خود کو مستحکم کیا ہے۔ بیرونی حمایت یافتہ فریقوں کے درمیان جاری اختلافات کے ساتھ، انصار اللہ کی یہ صلاحیت مزید بڑھ رہی ہے کہ وہ اپنے اثر کو مستحکم کرے اور مستقبل میں بحیرۂ احمر اور بین الاقوامی بحری سلامتی سے متعلق کسی بھی ممکنہ معاہدے میں اپنی شرائط نافذ کرے۔ خطے میں نئی بڈیٹیرنس کا توازنعلاقائی اعداد و شمار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یمن مشرقِ وسطیٰ میں بازدارندگی کی مساوات کا کلیدی حصہ بن چکا ہے۔ برسوں کی جنگ اور محاصرے کے بعد، انصار اللہ نے اپنی جغرافیائی پوزیشن کو ایک اسٹریٹجک اثاثے میں تبدیل کر لیا ہے جو بحیرۂ عرب کو بحیرۂ احمر سے جوڑتا ہے؛ یعنی یمن کے خلاف کسی بھی خطرے کا مطلب بین الاقوامی جہاز رانی کے خلاف براہِ راست خطرہ ہے۔ یہ نئی حقیقت بڑی طاقتوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ اپنے حسابات کا دوبارہ جائزہ لیں۔ روایتی عسکری کارروائیاں اب نہ کنٹرول کے لیے کافی ہیں اور نہ سیاسی اہداف کے حصول کے لیے۔ مزید یہ کہ ایسا نہیں لگتا کہ نئی سفارتی کوششیں اس حقیقت کو بدل سکیں گی کہ صنعاء اب آزاد فیصلہ سازی کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے اور اپنی شرائط کو طاقت کی پوزیشن سے نافذ کرتا ہے۔ مبصرین کے مطابق یمن کا نیا بازدارندہ توازن صرف بحیرۂ احمر تک محدود نہیں بلکہ خلیج فارس اور شاخِ افریقہ کے تزویراتی توازن پر بھی اثر انداز ہو چکا ہے۔ لہٰذا آج جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، وہ کسی محدود تنازعے کی عکاسی نہیں بلکہ علاقائی سلامتی کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہیں بی جس میں یمن ایک ایسا مرکزی کردار ہے جسے نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ حاشیے پر دھکیلا جا سکتا ہے۔ آخر کار یمن اب صرف ایک روایتی جنگ کا میدان نہیں رہا، نہ ہی بی as مغرب دعویٰ کرتا ہے بی ایک پراکسی ریاست؛ بلکہ وہ علاقائی اور بین الاقوامی سیکیورٹی کی مساوات کا ایک بنیادی عنصر بن چکا ہے۔ انصار اللہ، جو انتہائی طاقتور اتحادوں کا سامنا کر چکا ہے، یہ ثابت کر چکا ہے کہ سیاسی اور میدانی ارادہ تاریخ کا رخ بدل سکتا ہے۔ جیسے جیسے مغربی طاقتیں اتحادوں اور نئے منصوبوں کے ذریعے صورتحال کو بدلنے کی کوشش جاری رکھتی ہیں، صنعاء اپنی طاقت بڑھانے اور اپنی اسٹریٹجک پوزیشن کو استعمال کرنے کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ بحیرۂ احمر اور باب المندب میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ محض ایک عسکری ٹکراؤ نہیں، بلکہ طاقت کے توازن میں ایک گہری تبدیلی ہے اور اس تبدیلی کا نمایاں عنوان یہ ہے: یمن فیصلہ کرتا ہے، اور دنیا اپنے حسابات پر نظرِ ثانی کرتی ہے۔

https://farsnews.ir/zafarani/1760632103267104507

☆☆☆☆☆

علامہ محمد حسین طباطبائی قدس روحہ الشریف کی 44 ویں یومِ رحلت پر
اس عظیم اسلام شناس عالم کی خدمات پر طائرانہ نظر

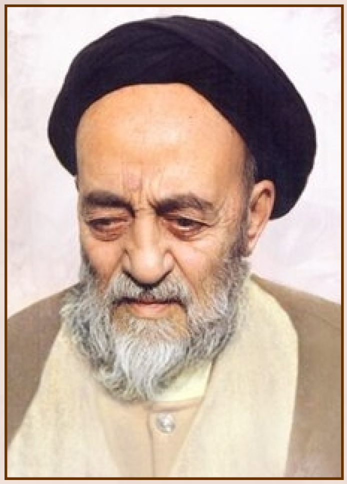

تحقیق وتحریر: حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ السید عمید الموسوی کاظمی (مدرسِ حوزہ وامام جماعت)

علامہ سید محمد حسین طباطبائی (1902ء ۔۔۔۔ 1981ء)

عصرِ حاضر کے عظیم شیعہ فقیہ، مجتہد، مفسر، محقق، متکلم، فیلسوف، عارف، معلم، مفکر اور اسلام شناس تھے۔ آپ نے قرآن فہمی، اسلامی فلسفہ، کلام، عرفان، تفسیر اور فکری تحقیق کے میدان میں ایسے شاہکار علمی کارنامے اور تحقیقی آثار وافکار چھوڑے جو آج علمی دنیا میں حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔

1۔ قرآن فہمی میں خدمات تفسیر المیزان، عظیم کارنامہ قرآن کریم کی 20 جلدوں پر مشتمل تفسیر۔ تفسیر قرآن بالقرآن کے منفرد اسلوب پر لکھی گئی۔ جس میں بنیادی طور پر آیات کی تفسیر خود قرآنی آیات سے کی گئی اور یہ تفسیر قرآن کا وہ پیچیدہ اور دشوار علمی اسلوب ہے جسکا بنیادی فارمولہ وارثانِ ولایتِ محمدیہ اہل بیتِ محمد علیہم السلام نے ارشاد فرمایا تھا جس قانون وفارمولے کو مکتب اہل بیت کے عظیم شاگرد و مجتہد علامہ طباطبائی نے چودھویں صدی ھجری کے آخری نصف حصے میں تفسیر المیزان تخلیق کر کے کامل عملی جامہ پہنایا اور اپنے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی عظیم حسرت اور مطالبے کو چودہ صدیوں کے بعد پورا کیا۔ جدید فلسفیانہ سوالات، عرفانی نکات، تاریخی مباحث، حدیثی دلائل، عقلی برہان اور سائنسی مباحث کا جامع امتزاج۔ عصر حاضر کی سب سے مضبوط علمی اور جدید تقاضوں کو پورا کرنیوالی تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے قرآنی خدمات قرآن کے علمی وحکمی پہلو کو جدید فکر سے منسلک کیا۔ قرآنی علوم کو فلسفہ وعقل کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ قرآن کا عمیق اور معنوی تعارف پیش کیا۔

2۔ فلسفہ وحکمت میں خدمات اصول فلسفہ وروش ریالیسم اصول فلسفہ وروش ریالیسم مغربی فلسفہ خصوصاً مادیت، الحاد اور آئیڈیلزم کا علمی ردّ۔ مغربی فلاسفر کے اعتراضات کا عقلی جواب دینا۔ خود علامہ طباطبائی کے تقاضا پر مفکر اسلام شہید مرتضیٰ مطہری نے اس کتاب پر مفصل حواشی اور توضیحات لکھ کر اسے عظیم اور کائناتی فلسفی سرمایہ اور مبسوط عالمی کتاب بنا دیا۔ حکمتِ متعالیہ کو زندہ کرنا ملاصدرا کے فلسفے کی گہری شرح اور تدریس۔

حوزہ علمیہ میں فلسفہ کی دوبارہ نشاتِ ثانیہ کا آغاز انہی سے ہوا۔

3۔ عرفان واخلاق نظریاتی عرفان واخلاق اور عملی عرفان واخلاق کے بلند ترین مراتب کے حامل تھے۔ ان کا عرفانی اور سلوکی سلسلہ نجف کے معروف عارف باللہ آیت اللہ سید علی آقا قاضی طباطبائی اور نامور عرفائے نجف سے مربوط تھا۔ علامہ طباطبائی عملی سیر وسلوک، اخلاقی تربیت اور عرفانی تہذیبِ نفس کے سب سے بڑے استاد تھے۔ جدید اسلامی فکر اور جدید اسلام شناسی کے شعبے میں اعلیٰ فکری وعلمی شخصیات (آیت اللہ شہید مطہری، آیت اللہ مصباح یزدی، ایت اللہ جوادی آملی، آیت اللہ حسن زادہ آملی، آیت اللہ سبحانی، آیت اللہ ممدوحی) ان کے فلسفی، قرآنی، کلامی، عرفانی واخلاقی فیوضات کے پروردہ شخصیات تھیں۔

4۔ تعلیم وتربیت (شاگرد پروری) علامہ طباطبائی نے ایسے عظیم شاگرد تیار کیے جنھوں نے اسلامی فکر کا چہرہ بدل دیا اور عالمی سطح پر مکتب تشیع کا فلسفی، علمی اور عقلانی تعارف اور چہرہ پیش کیا:

۱) آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری
۲) آیت اللہ شہید محمد حسین بہشتی
۳) آیت اللہ سید علی خامنہ ای
۴) آیت اللہ عبداللہ جوادی آملی
۵) آیت اللہ علامہ حسن زادہ آملی

٦) آیت اللہ محمد تقی مصباح یزدی

٧) آیت اللہ حسن ممدوحی کرمانشاھی

٨) آیت اللہ سید امام موسیٰ صدر

٩) آیت اللہ شیخ جعفر سبحانی

١٠) فیلسوف ڈاکٹر غلامحسین ابراھیمی دینانی (پروفیسر تہران یونیورسٹی)

١١) فیلسوف ڈاکٹر سید حسین نصر (پروفیسر جارج واشگٹن یونیورسٹی)

١٢) آیت اللہ یحیٰی انصاری شیرازی

١٣) آیت اللہ نور اللہ شاہ آبادی

١٤) آیت اللہ نصر اللہ شاہ آبادی

١٥) آیت اللہ الحاج خوشوقت

١٦) آیت اللہ سید عز الدین زنجانی

١٧) آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

١٨) آیت اللہ سعادت پرور پہلوانی

١٩) پروفیسر ہنری کوربین (ایران و مغرب کے علمی رابطے میں بنیادی کردار)

علمی مکالمہ اور بین الاقوامی خدمات علامہ طباطبائی کے مغربی مفکر و فیلسوف پروفیسر ڈاکٹر ہنری کوربین کے ساتھ کئی برسوں پر مشتمل مکالموں نے اسلامی فلسفہ اور شیعیت کو عالمی سطح پر متعارف کرایا، ڈاکٹر سید حسین نصر جیسا مستشرق و مستغرب، اسلامی فیلسوف مغربی دنیا کیلئے تیار اور تربیت کر کے دیا جنھوں نے اسلامی فلسفہ، اسلامی علم عرفان اور مکتب تشیع کو عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ اسلامی حکمت و فلسفے کو، اصول فلسفہ و روش رئالیسم جیسی آفاقی سطح کی کتاب لکھ کر، جدید فلسفے کے مقابلے میں قابلِ فہم بنایا۔

علامہ طباطبائی کی تصانیف تفسیر و قرآنی علوم

١) تفسیر المیزان (20 جلدیں عربی، فارسی 40 جلدیں)

٢) قرآن در اسلام

٣) شیعہ در اسلام

وحی و نبوت فلسفہ و منطق پر کتابیں

١) اصول فلسفہ و روش رئالیسم (5 جلدیں)

٢) بدایہ الحکمہ (اسلامی فلسفے کے مفاھیم اور قوانین پر ابتدائی سطح کی اکیڈمک کتاب)

٣) نہایہ الحکمہ (اعلیٰ سطح کی فلسفی ابحاث پر مشتمل اکیڈمک کتاب)

٤) ملاصدرا کی کتاب اسفار اربعہ پر حاشیہ

٥) ملاصدرا کے فلسفہ حکمت متعالیہ اور صدرا کے علم منطق کی تشریح

عرفان و اخلاق کے موضوع پر کتابیں

١) رسالہ الولایہ

٢) رسالہ لب اللباب

٣) علم عرفان کی اجتہادی کتاب مصباح الانس پر حاشیہ

٤) رسالہ الانسان فی الدنیا وقبل الدنیا وبعد الدنیا دین شناسی

کلام، تاریخ و حدیث پر کتابیں

١) آموزش دین

٢) سنن النبی ص

٣) شیعہ در اسلام

٤) اسلام و انسان معاصر

٥) کفایہ الاصول پر حاشیہ

٦) کافی (بعض روایات پر مباحث) پر حاشیہ

٧) بحار الانوار کی روایات پر ایک حد تک تحقیقی کام پھر علماء کے تقاضے پر اس کام کو ترک کر دیا۔

علامہ محمد حسین طباطبائی کی علمی شخصیت چار بڑے ستونوں پر قائم ہے:

١) تفسیر المیزان

٢) اصول فلسفہ و روش رئالیسم

٣) بدایہ الحکمہ و نہایہ الحکمہ

٤) عرفانی رسائل

آخر میں یہ حقیقت لکھنا بھی انتہائی ضروری ہے کہ متعدد و معتبر گواھیوں کیمطابق علامہ طباطبائی صاحب کشف و شہود اور صاحب الہاماتِ ربانیہ عالمِ ربانی اور ولیُ اللہ عارف تھےلیکن ہر چیز اور واقعے کو سرّی اور پوشیدہ رکھنے میں انتہائی پابند تھے۔ والسلام

سانحہ سولہ دسمبر

ہم کمزور ہیں یا طاقتور؟

ڈاکٹر نذر حافی

سوچنے کی بات ہے کہ مقتول بچوں کی ماوں کا دل زیادہ کس چیز سے زخمی ہوا؟ درندوں کی گولیوں سے، یا اپنے ہی وطن کے طاقتوروں کی بے حسی سے؟ سولہ دسمبر کو ہر محب وطن پاکستانی حیران رہ جاتا ہے کہ اس دن رونا کس پر چاہیے ؟ انسانیت کے دشمنوں کی درندگی پر یا ریاست کی طاقتور اور بے حس مشینری پر؟ گیارہ سال گزر جانے کے بعد بھی دسمبر کا خوف اور غم کم نہیں ہوا۔ سانحہ آرمی پبلک اسکول پشاور (APS) پاکستان کی تاریخ کی ان چند راتوں میں سے ایک ہے جو قوم کی اجتماعی یادداشت پر ہمیشہ کے لیے خوفناک بھوت کی مانند سوار رہے گی۔ اس رات نے 144 خاندانوں میں قیامت برپا کر کے پوری قوم کے دلوں پر ایک ایسا زخم لگایا جو کبھی مندمل نہیں ہوگا۔ ہمارے بڑوں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ جہاں اُن کی سوچ ختم ہوتی ہے وہاں سے دشمن کا وار شروع ہوگا۔ خیر دشمن کا وار اپنی جگہ مہلک ثابت ہوا لیکن کیا اپنوں کی زبان سے لگائے ہوئے زخم بھی کبھی بھر پائیں گے؟ سانحے کے بعد شہداء کے لواحقین پر کیا بیتی ہو گی کہ جب سابق کور کمانڈر نے یہ ناقابلِ فراموش اور تاریخی جملہ کہا ہوگا کہ ’’جو ہوا وہ ہوا، آپ اور بچے پیدا کریں۔‘‘ یہ جملہ دشمن کی زبان سے نہیں بلکہ شہید بچوں کی روتی اور سسکتی ہوئی ماوں کیلئے اس ملک کے ایک اعلیٰ جنرل کی زبان سے ادا ہوا۔ 16 دسمبر 2014ء کی سیاہ رات پہلے ہی تاریخ کا ایک المناک صفحہ تھی لیکن اس بے حسی نے اس رات کو مزید تاریک بنا دیا۔ ریاست اس جملے کیلئے بانی پاکستان اور مفکر پاکستان کے سامنے ہر لمحے جواب دہ ہے۔ سچ ہے کہ طاقت جب احتساب اور احساس سے خالی ہو جائے تو ریاست کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ سانحہ APS محض ایک دہشت گردانہ حملہ نہیں تھا بلکہ یہ اس طویل پالیسی کا ثمر بھی تھا جس کے تحت اس ملک میں عشروں تک مذہبی، عسکری اور فاشسٹ جتھے پالے گئے۔ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ طالبان، لشکر جھنگوی، سپاہ صحابہ، البدر فورس اور دیگر کئی گروہ خود ریاستی سرپرستی، سیاسی ضرورتوں اور جغرافیائی مفادات کے نام پر پیدا کیے گئے۔ یہی جتھے بعد میں ریاست، عوام، پولیس، اور فوج کے اپنے سپاہیوں کے لیے آگ اور خون کی آندھی لے کر آئے۔ نہ جانے کتنی ماؤں کے دوپٹے ان گروہوں کی اندھی گولیوں سے بھیگے۔ 1971ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان بھی اسی پالیسی کا تسلسل تھا۔ یہ پالیسی بھی کیا پالیسی تھی کہ جس کے تحت عوامی رائے کو نظر انداز کرنا، سیاسی مینڈیٹ کو پس پشت ڈالنا، اور غیر جمہوری و عسکری گروہوں کو عوام کی آواز کے مقابل لا کھڑا کرنا درست قرار پایا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ان قومی سانحات سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ نہ ہم نے جتھہ سازی ختم کی، نہ جمہوریت کو مستحکم کیا، نہ عوامی مینڈیٹ کی حرمت کو سمجھا۔ 7 دسمبر 1970ء کے انتخابات، مشرقی پاکستان کا واضح عوامی مینڈیٹ، اور پھر اس مینڈیٹ کے ساتھ ہونے والی زیادتی ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ ریاست کی بنیادیں طاقت یا بندوق سے نہیں بلکہ انصاف، جمہوری اصولوں اور عوامی اختیار سے مضبوط ہوتی ہیں۔ جب کسی ریاست میں منطق، دلیل اور قانون کی بجائے گروہوں، جتھوں اور غیر قانونی طاقتوں پر تکیہ کیا جاتا ہے تو پھر 16 دسمبر 1971ء کا المیہ ہو یا 16 دسمبر 2014ء کا سانحہ، ایسا انجام ایک فطری ردِعمل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ لگتا ہے کہ ہمارے ہاں کسی بھی ادارے کے نصابِ تعلیم و تربیت میں ماؤں کے دکھ کا احساس، مجبور سے ہمدردی، طاقتور کو ٹوکنا، رشتوں کا تقدّس، اور چادر و چار دیواری کی حُرمت شامل ہی نہیں۔ ہمیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ کسی روتی ہوئی ماں کے سامنے خاموش رہنا، اس کے آنسوؤں کی تعظیم کرنا، اُس کی ممتا کو احساسِ تحفظ دینا اور اس کے زخموں پر مرہم رکھنا کتنی بڑی نیکی ہے۔ اے پی ایس کی ماؤں کا دکھ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ہر ماں کی طرح وہ بھی اپنے بچوں کی

یاد کے ساتھ زندہ ہیں، اُن کا ہر دن اُن کے شہید بچوں کی خوشبو سے جڑا ہُوا ہے۔ ایسے عالم میں جب کسی نے انہیں یہ کہا ہوگا کہ ''پھر کیا ہوا، تم اور بچے پیدا کرو''، تو یہ جملہ شہید بچوں کی ماؤں کے رُخساروں پر ایک ایسا طمانچہ تھا جو زندگی بھر توہین کی ایک علامت کے طور پر انہیں یاد رہے گا۔ یہ وہ جملہ تھا جس نے یقیناً اُن کے دلوں کو چیر کر رکھ دیا اور یہ وہ لمحہ تھا کہ جب مائیں جو بڑی مشکل سے خود کو سنبھال رہی تھیں دوبارہ بکھر گئیں۔ یہ اُداس مائیں اس دھرتی کی بیٹیاں ہیں۔ کیا ان کے صبر کے صدقے میں اس سال ۱۶ دسمبر کے دن ہم سب تاریخ پاکستان کو اپنے ہاں ایک روشن آئینے کے طور پر قبول کرنے کیلئے تیار ہیں؟ کیا اِس آئینے میں ہم اپنے اعمال کا عکس دیکھنے کے قابل ہیں؟ کیا ہماری تاریخ ہمیں یہ نہیں سکھاتی کہ ریاست طاقت، بندوق اور عسکری برتری کے ساتھ ساتھ انصاف، قانون، انسانی ہمدردی، اخلاق اور عوامی مشاورت و جمہوری اختیارات کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جو قوم اپنی بیٹیوں کی عظمت، عوام کی رائے، قانونی میرٹ، اجتماعی عقل، اور جمہوری مینڈیٹ کو نظر انداز کرتی ہے، وہ اپنی بقا کے لیے خود خطرات کو جنم دینے لگتی ہے۔ 1970ء کے انتخابات اور مشرقی پاکستان کا المیہ اس تلخ حقیقت کے گواہ ہیں کہ عوامی آواز کو پس پشت ڈالنا کتنی مہلک تباہی لا سکتا ہے۔ کیا وہ وقت نہیں آ گیا کہ ہم تاریخ پاکستان سے یہ سیکھیں کہ ریاست کی سرپرستی میں پروان چڑھائے گئے فاشسٹ عسکری اور مذہبی ٹولے و جتھے ہی ریاست و قوم کے سب سے بڑے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ کیا طالبان، لشکر جھنگوی، سپاہ صحابہ اور دیگر گروہوں کی داستانیں اور 16 دسمبر 2014ء کا سانحہ یہ واضح نہیں کرتا کہ ظلم اور غیر قانونی طاقت کا بیج جب بو یا جائے تو اُس کا خمیازہ آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ کیا ہم یہ نوشتہ دیوار پڑھنے کیلئے آمادہ ہیں کہ طاقت و اقتدار کے حصول کی خواہش قانون، انصاف اور اخلاق سے عاری ہو تو وہ خود ہی قیامت کا سامان بن جاتی ہے؟ معصوم شہری، خاص طور پر بچے اور مائیں کسی بھی قوم کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔

APS کے سانحے نے یہ حقیقت ہم سب پر عیاں کی ہے کہ انسانی ہمدردی اور اخلاقی شعور کی کمی انسانی رویّوں اور انسانی جذبات کیلئے کتنی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ ماؤں کے زخم، شہید بچوں کی قربانی اور ان کی قبروں کے نشان ہمیں ہمیشہ یہ یاد دلاتے رہیں گے کہ مضبوط وہ نہیں ہوتا جس کے پاس ہتھیار زیادہ ہوں بلکہ مضبوط وہ ہوتا ہے جس کے شہروں میں تحفظ اور شہریوں میں احساسِ تحفظ زیادہ ہو۔ ہمیں دل و جان سے یہ مان لینا چاہیے کہ کسی بھی قوم کی عظمت اس کی ماؤں کے تقدس اور بچوں کے مستقبل کی حفاظت میں چھپی ہوتی ہے۔ شہید بچوں کی یہ قبریں ہمیں یہ پیغام بھی دیتی ہیں کہ اچھی تعلیم، عوام دوستی، عوام سے ہمدردی، انسانیت کے تحفظ، جمہوریت، عوامی مینڈیٹ اور انصاف کے بغیر کہیں پر بھی کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہمیں جتھہ سازی کے بجائے معیاری تعلیم و تربیّت پر توجہ دینی چاہیے تھی۔ جب ریاست معیاری تعلیم، منطق اور قانون کی بجائے جتھوں، گروہوں اور غیر قانونی طاقتوں پر انحصار کرتی ہے تو سوسائٹی 1971ء کے المیے سے لے کر 2014ء کے سانحے تک کے زخم بار بار دہراتی ہے۔ تاریخ صرف آئینہ ہی نہیں بلکہ ایک خاموش استاد بھی ہے، ایسا استاد جو ہر نسل کو اپنے اعمال کے عواقب سمجھاتا ہے۔ جو قوم آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتی اور اپنے اُستاد کی بات پر کان نہیں دھرتی، وہ تاریخی جبر کے طور پر ماضی کے زخموں کو بار بار دہرانے پر مجبور ہے۔ اُس کے بچوں کا مستقبل کبھی خودکش جیکٹوں، کبھی منشیات اور کبھی غیر قانونی تاریک وطن کی صورت میں ہمیشہ مخدوش ہی رہے گا۔ اگر ہم معیاری تعلیم، انصاف، اخلاق اور رفاہِ عامہ کی فراہمی کو اپنی فعالیت اور سرگرمیوں کی بنیاد بنائیں تو ایک مضبوط، زندہ اور تابناک قوم کی تعمیر آج بھی ممکن ہے۔ آخر میں عرض یہ ہے کہ انصاف، اخلاق، انسانی ہمدردی، قانون کا احترام، عام آدمی کی توقیر، کرپشن سے نجات، اور عوامی اختیار کے بغیر کوئی قوم حقیقی معنوں میں قوم نہیں بن سکتی اور کوئی ملک کبھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔ کیا اے پی ایس پشاور کا مورخ پاکستان کو ایک مضبوط ریاست لکھ پائے گا؟ کیا مذکورہ جملے کے بعد تاریخ یہ گواہی نہیں دے گی کہ جہالتِ قدیم میں بیٹیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا، اور جہالتِ جدید میں ماؤں کو زندہ درگور کیا گیا۔ مائیں تو ایک جیسی ہی ہوتی ہیں، چاہے مشرقی پاکستان کی ہوں یا مغربی پاکستان کی۔ ماؤں کے جذبات تو ایک جیسے ہوتے ہیں ان کے زخم، ان کے دکھ، ان کی چیخیں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ کیا ہم شعوری طور پر اتنے کمزور ہیں کہ بیٹیوں کے تقدس اور ماؤں کے جذبات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں؟ کیا ہم آزادانہ طور پر یہ سمجھنے کیلئے تیار ہیں کہ ان بیٹیوں اور ماؤں کے سامنے ہم بحیثیت قوم اور بحیثیتِ پالیسی میکر کمزور ہیں یا طاقتور؟

سیکولر ہندوستان پر مذہبی سیاست کا غلبہ

عادل فراز

ہندوستان صدیوں سے مختلف مذہبوں ،زبانوں ،نسلوں ،تہذیب و ثقافت اوررسوم ورواج کا گہوارہ رہا ہے۔اس کی سماجی ساخت کی بنیاد کثرت میں وحدت کے اصول پر استوار ہے۔اس ملک میں ہندو مسلمان سکھ عیسائی بدھ جین اور دیگر مذہبوں کے ماننے والے مل جل کر رہتے آئے ہیں۔اسی تنوع نے ہندوستان کو ایک شاندار تہذیبی ورثہ عطا کیا ہے۔مگر آزادی کے بعد فاشسٹ طاقتوں نے مذہب کو سیاست کا آلۂ کار بنا کر اس تنوع پر کاری ضرب لگائی اور دھیرے دھیرے ملک کو فرقہ پرستی کی آگ میں جھونک دیا گیا۔مذہبی سیاست کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے ملک کی جمہوریت، سماجی ہم آہنگی، آئینی اقدار اور معاشی ترقی پر منفی اثرات مرتب کئے۔مذہبی سیاست نے نت نئے سیاسی اور سماجی مسائل کو جنم دیا۔خاص طور پر بی جے پی کے اکثریت کے ساتھ اقتدار میں آنے کے بعد صورتحال مزید پیچیدہ ہوگئی۔مذہبی سیاست منافرت میں بدل گئی اور اقلیتوں کے خلاف ایک الگ بیانیہ تشکیل پانے لگا۔کبھی انہیں شمشان اور قبرستان کے نام پر باٹا گیا تو کبھی 'علی' اور 'بجرنگ بلی' کا موازنہ کرکے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی۔صرف اتنا ہی نہیں مقتدر شخصیات نے مسلمانوں کے اقتصادی اور سوشل بائیکاٹ کا اعلان کرکے سرعام انہیں گولی مارنے کی دھمکیاں دیں۔آئینی عہدوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے انہیں 'درانداز' کہہ کر گالی دی تو کبھی ان کے مذہبی تشخص کو نشانہ بنایا گیا۔بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ مدارس کو 'دہشت گردی کا مرکز' کہا گیا اور دہشت گردی کے الزام میں اکثر بے گناہوں کو گرفتار کرکے جیلوں میں زندہ مرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔عدالتوں سے سالوں بعد جب ان کی بے گناہی ثابت ہوئی تب بھی سیاست مداروں نے اپنے جرائم پر معذرت تو دور پشیمانی کا اظہار تک نہیں کیا۔نوبت یہاں تک پہونچی کہ مذہب کے نام پر غیر ملکیوں کو شہریت دینے کے لئے 'شہریت قانون' میں ترمیم کی گئی مگر مسلمانوں کو اس سے باہر کردیا گیا۔پھر 'این آر سی' کے نفاذ کا اعلان کیا گیا تاکہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرکے سیاسی مفادات کا حصول کیا جائے۔غرض کہ مذہبی سیاست کا سارا زور مسلمانوں کے خلاف صرف ہوا اور اب جب کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے آر ایس ایس سربراہ موہن بھاگوت کے ساتھ مل کر رام مندر پر مذہبی پرچم لہرادیا ہے تو ہندوستانی مسلمانوں بھی گھڑیاں گن رہے ہیں کہ آخر ایودھیا میں مسجد کی تعمیر کب ہوگی جس کا حکم اسی عدالت عظمیٰ نے دیا تھا جس کے فیصلے کی بنا پر رام مندر کی تعمیر کی گئی۔مذہب پر مبنی سیاست کا پہلا اور سب سے بڑا نقصان سماجی تقسیم ہے۔ہندوستان کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی انتخابی سیاست میں مذہب کو بنیاد بنایا گیا، فسادات، نفرت اور تصادم میں اضافہ ہوا۔اکثریت اور اقلیت کے درمیان بداعتمادی پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ بداعتمادی آپسی منافرت میں بدل گئی۔اس سے مختلف برادریاں 'ہم' اور 'وہ' میں تقسیم ہوگئیں۔قومی شناخت کمزور ہوئی اور فرقہ واریت میں اضافہ ہوا۔یہ صورتحال بتدریج ملک کی سالمیت اور وحدت کے لئے براہ راست ایک چیلنج بن گئی۔اس سیاسی کیفیت نے ہندوستان کے آئینی ڈھانچے کو کمزور کردیا جو انصاف اور مساوات پر مبنی تھا۔کیونکہ مذہبی سیاست سیکولر اور جمہوری اقدار سے انحراف کرتی ہے لہذا حکومت بھی مذہبی جانب داری کا شکار ہوتی گئی۔یہ جانب داری سیکولر کہی جانے والی جماعتوں میں بھی موجود تھی خواہ وہ کانگریس ہو یا پھر علاقائی سیکولر جماعتیں۔بی جے پی کی سیاست تو بظاہر مذہبی خطوط پر استوار تھی اس لئے اس کے یہاں تو ابتدا سے جانب داری کا غالب رجحان موجود تھا۔نریندر مودی کے برسر اقتدار آتے ہی یہ جانب داری ان کا نصب العین بن گئی۔ان کی پالیسوں پر مذہبی دباؤ اور اکثریت پسندی کا عمل دخل بڑھ گیا۔

قانون کی نظر میں برابری کی جگہ شناخت پر مبنی امتیاز پیدا ہونے لگا۔ جب آئینی سیکولرازم کمزور ہو، تو شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کا تحفظ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے جس کا مشاہدہ ہم نے مودی سرکار میں بخوبی کیا ہے۔ مذہبی سیاست کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ یہ عوام کے دلوں میں نفرت اور دشمنی پیدا کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ مذہبی جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ تاریخی واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے بلکہ جب مذہبی نظریہ حکومت پر مسلط ہو جائے تو تاریخ بدلنے کی تحریک شروع ہوتی ہے۔ تعلیمی نصاب متاثر ہوتا ہے اور اس میں بھی مذہبی سیاست کے نام پر منافرت غالب نظر آنے لگتی ہے۔ نتیجتاً شہریوں کے درمیان روزمرہ کے تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں اور معاشرے میں بے چینی بڑھتی ہے۔ مذہبی سیاست جہاں سماجی اور سیاسی اقدار کو مجروح بلکہ ختم کرتی ہے وہیں جمہوریت کو بھی نقصان پہونچاتی ہے۔ کیونکہ جب انتخابات مذہب کی بنیاد پر ہوں گے تو حکومتی کارکردگی، ترقی، تعلیم وصحت اور بنیادی سہولیات جیسے مطالبات پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ انتخابی لائحۂ عمل تعمیری ایجنڈے کے بجائے نفرت، شناخت، سماجی تقسیم اور جذبات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ لائق اور روشن فکر افراد کے بجائے نااہل لوگ مذہبی بنیادوں پر سیاست میں جگہ پا لیتے ہیں جن کا بنیادی ہدف تعمیر کے بجائے تخریب ہوتا ہے۔ یہ صورتحال جمہوریت کے لئے خطرناک بن جاتی ہے اور فاشزم کو فروغ دیتی ہے۔ مذہب پر مبنی سیاست فرقہ وارانہ کشیدگی، اقتصاد و معیشت، تجارت اور روزگار پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ مذہبی تنازعات کاروبار زندگی کو مفلوج بنا دیتے ہیں

جیسا کہ کانوڑ یاترا کے دوران ہوٹلوں، ٹھیلوں اور دوکانوں پر ناموں کی تختی آویزاں کرنے کا حکم دیا گیا۔ 'نوراتری' پر گوشت کی دوکانوں کے کھولنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ حلال مصنوعات کے بائیکاٹ کا حکم دیا گیا۔ اس طرح کے تمام فیصلوں سے صنعت وتجارت کو نقصان پہونچتا ہے اور یہ فیصلے تعلیم وصحت اور ترقیاتی شعبوں میں پیش رفت کو سست بناتے ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کروڑوں افراد غربت، بے روزگاری اور معاشی پسماندگی سے دوچار ہیں، مذہبی سیاست مسائل میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ مذہبی سیاست کا سب سے زیادہ اثر نوجوانوں پر پڑتا ہے۔ جذباتی نعرے، فرقہ وارانہ بیانات اور غلط معلومات ان کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں تعلیم اور کیریئر سے توجہ ہٹتی ہے۔ نفرت انگیزی اور شدت پسندی کو فروغ ملتا ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے فکری انتشار بڑھتا ہے۔ نوجوان جو ملک کا مستقبل ہیں، وہ تقسیم اور تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سیاست کا اثر ہم ہندوستان کے نوجوانوں پر صاف دیکھ رہے ہیں۔ جس نسل کو تعلیم، تعمیر اور ترقی پر توجہ دینی چاہیے وہ مذہب کے نام پر سیاسی جلسوں میں نعرے لگاتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ کانوڑ یاترا میں نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کا فکری انحطاط ملک کے لئے تشویش کا سبب ہے۔ اسی طرح مسلم نوجوانوں پر بھی مذہبی سیاست کا نمایاں غلبہ ہے۔ ان کی قیادت بھی مذہب کے نام پر نوجوانوں کا فکری استحصال کرنے سے پیچھے نہیں رہتی۔ مذہبی سیاست کا ایک نقصان یہ ہوا کہ ہندوستان کی شبیہ عالمی سطح پر بدنام ہوئی اور ملک کا سیکولر کردار متاثر ہوا۔ ہندوستان ہمیشہ سے رواداری، جمہوریت اور تکثیریت کے لیے دنیا بھر میں مشہور رہا ہے۔ لیکن جب ملک میں مذہبی سیاست، اقلیت مخالف واقعات، یا فرقہ وارانہ فسادات بڑھتے ہیں، تو بین الاقوامی برادری کے درمیان ہندوستان کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹوں میں جمہوری عمل پر تشویش کا اظہار کیا جانا ملک کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ انسانی حقوق اور آزادی اظہار پر سوال اٹھتے ہیں تو سفارتی تعلقات اور عالمی رابطوں میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ سیاست مداروں اور یرقانی تنظیموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان کی طاقت اس کا تنوع، رواداری اور سیکولر جمہوری ڈھانچہ ہے۔ مذہبی سیاست اس بنیاد کو کمزور کرتی ہے اور ملک کو تقسیم، عدم استحکام اور پسماندگی کی طرف دھکیلتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاست کو مذہب کے اثر سے دور رکھا جائے۔ آئین کی پاسداری اور سیکولر کردار کو مضبوط کیا جائے۔ تعلیم، معیشت اور سماجی انصاف کو قومی ایجنڈا بنایا جائے۔ عوامی سطح پر بین المذاہب مکالمہ اور ہم آہنگی کی کوششوں کو فروغ دیا جائے۔ صرف اسی صورت میں ہندوستان 'وشو گرو' اور 'عظیم ملک' بن سکتا ہے۔ جب تک ہم سیکولر جمہوری ڈھانچے کو مضبوط نہیں کریں گے ہندوستان کبھی 'وشو گرو' نہیں بن سکتا۔ رام مندر پر مذہبی پرچم لہرانے سے یرقانی تنظیموں اور ان کے زیر اثر افراد کو ضرور خوش کیا جا سکتا ہے مگر ملک میں تعمیر وترقی کے اسباب پیدا نہیں کئے جا سکتے۔

adilfarazlko@gmail.com

مولانا غلام حسنین وجدانی کی بلاجواز گرفتاری۔۔۔

بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے!

علی ناصر الحسینی

مولانا غلام حسنین وجدانی دام ظلہ کا تعلق گلگت بلتستان سے ہے جو قم المقدسہ میں جامعہ المصطفی العالمیہ کے زیر نظر طالبعلم ہیں ،جامعہ المصطفی العالمیہ ملک پاکستان سمیت دنیا بھر میں اپنے بہترین افراد کو تبلیغات کیلئے بھیجتے ہیں،مولانا غلام حسنین وجدانی بھی اسی سلسلے میں گذشتہ تقریباً بارہ سال سے کوئٹہ پاکستان میں تبلیغ دین ومکتب حقہ جعفری کی اشاعت و ارشاد میں مشغول تھے،اپریل 2025 کو مولانا وجدانی عمرہ کی غرض سے کاروان مدینہ العلم کراچی جس کے سالار حسن جعفری ہیں اس گروپ کا ایک دفتر کوئیٹہ میں بھی ہے مولانا وجدانی اس گروپ کیساتھ تشریف لے گئے تھے،سارے گروپ نے روایتی انداز میں اپنے عمرہ مناسک ادا کیے مگر واپسی پہ ایک ایک سانحہ رونما ہوا جس نے آٹھ ماہ سے سب کو حیرت و پریشانی کا شکار کر رکھا ہے،مولانا غلام حسنین وجدانی جو عمرہ زائرین گروپ کیساتھ تھے انہیں طائف ایئر پورٹ سے گرفتار کر کے غائب کر دیا گیا سعودی حکومت نے 19 اپریل 2025 کو عمرہ سے واپسی پر طائف ایئرپورٹ پر بلاجواز گرفتار کرتے کسی کو جرم یا الزام نہیں بتایا ظاہری طور پہ سعودیہ جیسے حبس زدہ ،ناصبیت کے پروردہ ملک میں اچانک سے مہمانان خدا کیساتھ ایسا ہو جانا بہت پریشان کن تھا،ایک بندہ جو تمام مناسک بڑے اہتمام سے ادا کر کے اپنے گھر واپس پہنچنے کا سوچ رہا تھا اسے روک لینا باقی گروپ کیلئے بھی خاصا پریشان کن تھا،مگر اس وقت کوئی کیا کر سکتا ہے ظاہری بات ہے بے بسی و لاچارگی ہی تھی کوئی بھی کچھ کرنے کی پوزیشن نہیں رکھتا تھا،اس وقت تو بہت دور آج آٹھ ماہ گذر جانے کے باوجود بھی کوئی کچھ نہیں کر پایا ہے۔اس لیے کہ کون سعودیہ میں جا کے اتنا رسک لے،اطلاعات ہیں ہیں کافی عرصہ انہیں نامعلوم جیل میں رکھا گیا،ورثاء کو کسی بھی قسم کی اطلاع نہیں تھی،مگر کچھ وقت گذر جانے کے بعد ان کے بارے معلوم ہوا کہ وہ جدہ جیل میں موجود ہیں جہاں دو ہفتے بعد ان کی گھر ٹیلی فون پہ بات بھی ہو جاتی ہے،مگر سعودیہ میں انہیں نا تو وکیل کی سہولت میسر ہے نا خرچ اکراجات کیلئے کسی نے مدد کی ہے بعض اطلاعات کے مطابق سفارت پاکستان سے ایک فرد نے ایک بار ان سے ملاقات کی اور چندسو ریال بھی انہیں خرچ کیلئے دیے۔اب تو بس ایسا ہے کہ۔۔

کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں۔

ایسا تصور بھی محال ہے ایک گھٹن زدہ معاشرہ جہاں عدل و انصاف اور اسلام کے نام پہ اسلام کی دھجیاں بکھیری جاتی ہیں ایک مہمان مسافر زائر کو بلاجواز،بغیر جرم بتائے آٹھ ماہ سے قید کر رکھا ہے،ان کے خاندان،اہل خانہ بہت پریشان ہیں اور در، در کی ٹھوکریں کھا کے مایوسی اور ناامیدی میں غیبی مدد کے امیدوار ہیں۔

علامہ وجدانی ایک باشرف عالم دین اور مبلغ کے طور پہ کوئٹہ میں خدمات

سرانجام دے رہے تھے، سعودی حکومت نے انہیں کسی بھی بڑے الزام میں چارج شیٹ نہیں کیا، ایسا لگتا ہے کہ انہیں کچھ ایجنٹس کی غلط رپورٹنگ پہ اٹھا لیا گیا ہو، کوئٹہ میں اس سے قبل بھی ان کی مخالفت ہوتی رہی ہے، ایک بھونڈے کیس میں انہیں گرفتار کروایا گیا تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک نامور، بہترین، باعمل عالم دین کی یوں تذلیل، گرفتاری اور غیب کیا جانا ،ایک قوم ،جس کی فعالیت اور نمائندگی پارلیمنٹ تک ہے کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، ایک پاکستانی ہونے کے ناطے، ایک عمرہ زائر ہونے کے حوالے سے ان کے حقوق کی پاسداری لازمی اور یقینی طور پہ ہونی چاہیے تھی، مگر بدقسمتی سے ایسا کچھ نہیں ہوا۔

اس ساری صورتحال میں نہایت ہی افسوس ناک وتشویشناک پہلو یہ ہے کہ قومی جماعتیں اور تنظیموں کی اپنی اپنی ترجیحات اور پسند و ناپسند کے باعث وہ کسی بھی مرکزی شخصیت یا جماعت کے مصاحبان میں شامل نا ہونے کی وجہ سے ابھی تک کسی بھی سطح پہ احتجاج، اعلیٰ حکومتی اہلکاروں کے سامنے مطالبات اور رہائی کیلئے اقدامات میں دکھائی نہیں دیے، یہ ایک افسوس ناک پہلو ہے کہ اگر کوئی شیعہ آپ کی تنظیم یا جماعت سے منسلک نہیں تو آپ اس کیلئے صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کرتے۔

ایک اور خدشہ اور امکانی صورتحال یہ ہو سکتی ہے چونکہ ملک کے اہم ترین اداروں، حوزوں اور شخصیات نے حج وعمرہ کاروباری گروپس بنا رکھے ہیں، جو حج وعمرہ کے ذریعے کروڑوں روپے کماتے ہیں انہیں یہ خدشہ ہو سکتا ہے کہ اگر وہ احتجاج کرتے ہیں، کسی حکومتی شخصیت کو اس بابت خط لکھتے ہیں، سفارت خانے کو احتجاج ای میل بھیجتے ہیں تو وہ نگاہوں میں آ جائیں گے اور ان کو حج وعمرہ کیلئے

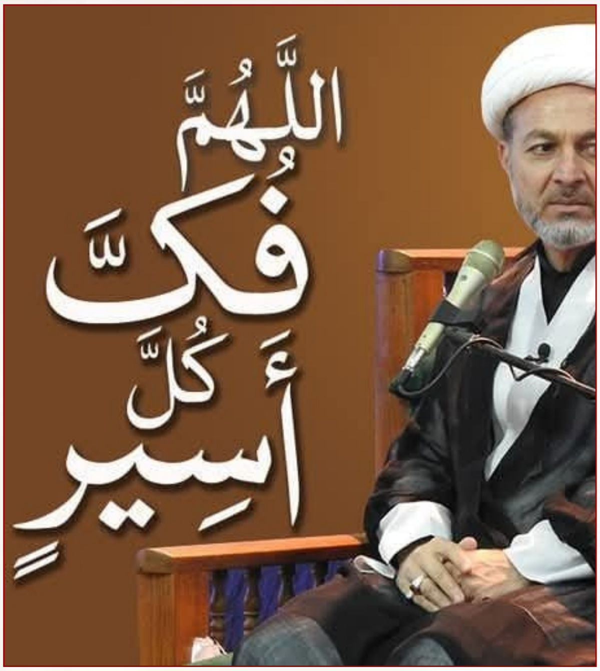

بین بھی کیا جا سکتا ہے یا سعودی حکومت انہیں وجدانی صاحب کی طرح وزٹ پہ اسیر بھی کر سکتی ہے۔ یہ ایک خدشہ کے طور عرض کیا ہے، اس لیے کہ سوشل میڈیا کے اس دور میں کسی جماعت، شخصیت، تنظیم، ادارے نے اس اہم ترین مسئلہ کھل کے کچھ بیان نہیں کیا۔

سوچنے کی بات ہے کہ یہ بے حسی ہے، کمال حکمت ودانائی یا احساس سے عاری رویہ، یہ جو کچھ بھی ہے کسی بھی طور ایک قوم وملت کے شایان شان نہیں، اس ایشو کو ایک بے گناہ، مظلوم جس کا کوئی پرسان حال ومددگار نہیں کے طور پہ بھی دیکھنا چاہیے، اگر ملی وقومی جامعتوں میں دم خم نہیں تو پاکستان میں موجود انسانی حقوق کی تنظیموں اور بہت سے اداروں کے لوگوں کو اس جانب متوجہ کرنا چاہیے، شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات۔۔۔ کے مصداق کچھ مدد ہو جائے۔

ہمارے خیال میں اس مسئلہ پہ اعلیٰ شیعہ قائدین کو بلا جھجک سامنے آ کے حکومت پاکستان کے ذریعے ان کی بلامشروط رہائی کا مطالبہ کرنا چاہیے اس کیلئے پاکستان میں تعینات سعودی سفیر سے بھی وقت لینا پڑے تو لے کے تشویش پہنچانا چاہیے، مگر عملی طور پہ ایک محاورہ یاد آ رہا ہے جس اس ساری صورتحال کو مزید واضح کر دے گا۔

بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے!

☆☆☆☆☆

میرے والدگرامی

(رضوان اللہ تعالیٰ علیہ)

علامہ سید صفدر حسین نجفی

تحریر: سیدہ توقیر فاطمہ نقوی

تین دسمبر 1989 کا دن میری زندگی کا بہت ہی کربناک دن تھا میری عمر اس وقت 21 برس کی تھی جب میں شفقت پدری سے محروم ہوگئی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس عظیم نعمت کی محرومی کی خبر ایسے آئی کہ مجھے آج بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ میں اس بھری دنیا میں تنہائی کا شکار ہوں کیونکہ کچھ نقصان تو ناقابل تلافی ہوتے ہیں والدین کا رشتہ تمام انسانی رشتوں سے الگ اور اعلیٰ ہوتا ہے جو ان کی وفات سے بھی نہیں ٹوٹتا مجھے فخر ہے کہ میرے والدین کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف اولاد کے لئے ہی نہیں بلکہ اپنی قومی و سماجی زمہ داریاں نبھانے میں بھرپور کردار ادا کیا اولاد کی تربیت بنیادی ترین فریضہ ہے اور اسے بھی انہوں نے خوب نبھایا یہاں بیان کرنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن میں صرف چند نکات پر اکتفا کروں گی دینی تعلیم کا اہتمام الحمدللہ بچپن سے ہی گھر میں مذہبی ماحول تھا لیکن اس کے باوجود ہم نے قم المقدس کی طرف ہجرت کی کیونکہ والد کی خواہش تھی کہ میری اولاد دینی تعلیم اور معرفت حاصل کی میری شادی کے حوالے سے ذکر کیا کہ میری بیٹی کی شادی کسی سید عالم دین سے کی جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں علم دین کی اہمیت کس قدر زیادہ تھی سالہائے قبل کی یہ تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ ان کے اکثر بچوں کی شادیاں اسی طرح ہوئیں اور ان کی سب سے چھوٹی بیٹی قرآن کریم کی حافظہ ہے الحمدللہ اس وقت ساری اولاد اپنی بساط بھر خدمت دین میں مصروف ہے رزق حلال پر تاکید ان کے احسانات میں سے نہایت اہم یہ کہ ہمیشہ اپنی اولاد کو حلال لقمہ کھلایا اور اسکی تاکید فرمائی گھر میں جید علماء کرام حتی مجتہدین بھی تشریف لاتے قیمتی قالین کی بجائے سادہ سی دریاں اور کارپٹ تھے لیکن انکے لئے اسکی کوئی اہمیت نہ تھی خود ہمیشہ سادہ خوراک ولباس پر اکتفا کیا یعنی زبانی ہی نہیں بلکہ زندگی بھر عملا ایسا دکھایا مجھے دنیا کے بہت سرے ممالک کے سفر کا موقعہ میسر آیا اور تقریباً ہر جگہ میں نے اپنے والد کی خدمات کا ذکر سنا اس سے میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں جو عزت، مرتبہ، مقام اور شہرت عطا فرمائی ان کے خوبصورت کردار کے سبب تھی میں اگر خلاصہ کروں تو آپ کی شخصیت مندرجہ ذیل خصوصیات کا مرقع تھی خوف خدا، اخلاص، انکساری، سادگی، اصولوں پر مبنی زندگی، اخلاقی اقدار کی پاسداری، سوچ اور فکر کی بلندی، الہی اہداف کو حاصل کرنے کی جدوجہد، دنیا سے بیخوف ہونا، لالچ طمع اور حرص سے پاک زندگی، دوسروں کی ہر ممکن مدد کرنا، محنت، لگن، تحریر و تقریر میں مگن موت تو اس کی ہے بے نام ہو جس کی دنیا جس کا کردار حیاتی ہو وہ مردہ تو نہیں موت کب

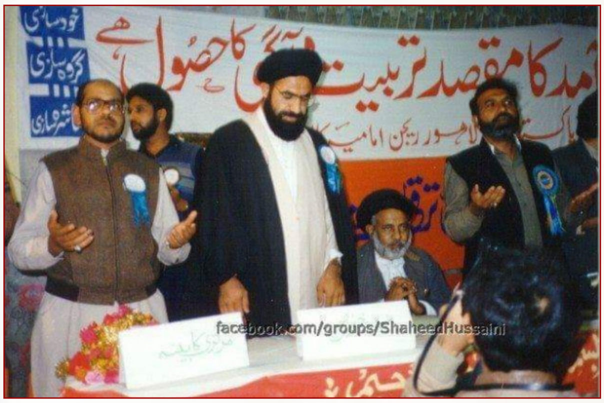

صاحب کردار کو آتی ہی جسم چھپ جاتا ہے کردار جیا کرتا ہے۔

اللھم اجعل محیای محیا محمد و آل محمد و مماتی ممات محمد و آل محمد

اہل بیت علیہم السلام کا عاشق ایسے زندگی گزارتا ہے کہ اس کی زندگی

گواہی دے کہ میں جیا تو اہل بیت (ع) کی طرح اور موت آئی تو بھی اہل بیت (ع) کی مانند پاکستان اور دیگر ممالک میں آپ کی طرز زندگی کا عملی اعتراف اور ثبوت نظر آتا ہے آج بھی لوگوں نے خلوص کے پیکر کا ذکر کرنا ہو تو "محسن ملت" کہہ کر آپ کو یاد کرتے ہیں اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے کارناموں کی ایک لمبی فہرست بیان کرتے ہیں قابل ذکر ہے کہ انہوں نے یہ سب کام اس وقت انجام دیئے جب مشکلات تھیں اور وسائل کی کمی بھی درپیش تھی دنیا سے بے نیاز اس انسان کی زندگی میں میرا مشاہدہ تو یہ تھا کہ جامعۃ المنتظر روزانہ تدریس کے لئے جاتے ہوئے اور واپسی پر پبلک ٹرانسپورٹ کی دو ویگن تبدیل کرتے، رہائش وخوراک بہت سادہ تھیں لیکن اس کے باوجود غریب پروری، مسکین نوازی ہمیشہ جاری رکھی بیٹیوں کو مختصر سا ساز وسامان دے کے رخصت کیا خاندان کے کئی افراد کی ماہانہ بنیادوں پر امداد کرتے بچپن میں مجھے یاد ہے کہ ہمارے گھر میں ایک باورچی خانہ اور دو کمرے تھے اس کے بعد جب ایک اور کمرے کا اضافہ ہوا تو دو فیملیز ہمارے گھر میں کئی ماہ تک قیام پذیر رہتیں پھر یہ بھی ہوا جبکہ ہماری اپنی فیملی کی تعداد کم نہ تھی تو ایسی صورت میں ہمارے بعض رشتہ دار کئی برس ہمارے گھر میں قیام پذیر رہے اولاد پر والد کی شخصیت کے اثرات بڑی بہن ہونے کے ناطے میں دیکھتی ہوں کہ الحمد للہ آج میرے سارے بہن بھائی سب کے سب بہت مہمان نواز ہیں، دنیا سے بے نیاز ہیں، شہرت کی بھوک ان میں نہیں ہے خاموشی سے خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے والد کی شخصیت وشہرت کو استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرتیں ہماری والدہ گرامیان کا ذکر نہ کیا جائے تو حق تلفی ہوگی ہماری والدہ (اللہ کریم ان پر اپنی بے پناہ رحمتیں نازل فرمائے) نے اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ آسانیاں پیدا کیں اگر ان کا ساتھ نہ ہوتا تو میرے والد (رحمۃ اللہ علیہ) دینی امور کے لئے خود کو وقف نہ کر سکتے میں ان کی ہر خدمت میں اپنی ماں کی بے پناہ قربانیوں کو حصہ دار سمجھتی ہوں گھر کی بنیادی ضرورت کی ہر چیز میسر تھی مگر ہماری والدہ کی کفایت شعاری اور سادگی اپنی مثال آپ تھی وہ ہمیشہ اپنے شوہر کی عزت اور اطاعت کی پاسبان رہیں میری والدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں اور میری ولادت سے قبل ہائی اسکول میں استاد تھیں اپنے والدین کی بے حد لاڈلی اولاد تھیں لیکن شادی کے بعد ملازمت چھوڑ کے اپنی پوری زندگی اور وقت کو شوہر، گھر اور بچوں کی خدمت میں صرف کر دیا بچوں کی تربیت میں محبت شفقت کا بے مثال اظہار کیا پاکستان میں یا پھر قم میں قیام کے دوران جو میں نے مشاہدہ کیا وہ یہ تھا کہ ہر کسی کی مشکل کشائی میں ہمہ وقت حاضر رہتیں آج بہت ساری خواتین وہ وقت یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ پردیس میں وہ ہمارے لئے ماں سے بڑھ کے ہم سے محبت کرتیں اور ہماری رہنمائی میں اپنا خوبصورت کردار نبھاتی تھیں۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ

20 نومبر 2022

☆☆☆☆☆

رپورٹ اجلاسِ مرکزی کونسل

سید سروش زیدی (مرکزی جنرل سیکرٹری) | امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

14 تا 16 نومبر 2025 کو آئی ایس او پاکستان کا پہلا اجلاسِ مرکزی کونسل مرکزی سیکرٹریٹ، المصطفیٰ ہاؤس میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے نمائندگان، مرکزی کابینہ، اور مختلف شعبہ جات کے ذمہ داران نے شرکت کی۔ اجلاس کے دوران تنظیمی کارکردگی کا جائزہ، سالانہ منصوبہ بندی، تربیتی حکمت عملی اور مختلف شعبوں کی رپورٹس پیش کی گئیں۔

ابتدائی گفتگو مرکزی صدر برادر سید امین شیرازی آئی ایس او پاکستان اجلاسِ مرکزی کونسل کا باقاعدہ آغاز مرکزی صدر آئی ایس او پاکستان بھائی سید امین شیرازی نے سورۂ آلِ عمران کی آیت 104 کی تلاوت سے کیا:

وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ

انہوں نے اس آیت کو اجلاس کی فکری بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ آئی ایس او پاکستان کی تمام تنظیمی سرگرمیاں اسی قرآنی ہدایت کی عملی شکل ہیں۔ ان کے مطابق اجلاسِ مرکزی کونسل محض ایک رسمی یا انتظامی اجتماع نہیں بلکہ ایک ایسی ایمانی اور عبادی ذمہ داری ہے جہاں کیے جانے والے فیصلے ملک بھر کے نوجوانوں کی تربیت، تنظیمی پالیسیوں اور اسلامی معاشرتی تشخص پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ مرکزی صدر نے تاکید کی کہ تمام اراکین باوضو ہو کر اجلاس میں شریک ہوں اور ہر رائے، ہر گفتگو اور ہر فیصلہ اس احساس کے ساتھ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ اخلاصِ نیت اور تقویٰ کے بغیر کوئی تنظیمی فیصلہ دیرپا برکت کا حامل نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا کہ اجلاس میں ہر رکن دو حیثیتیں رکھتا ہے: ایک تنظیمی مصالح کا امین ہونے کی حیثیت، اور دوسری اپنے ریجن کے نمائندے کے طور پر وہاں کے نوجوانوں کی امانت کو صداقت کے ساتھ پیش کرنے کی ذمہ داری۔ اس ابتدائی گفتگو کے اختتام پر مرکزی صدر نے امید ظاہر کی کہ اگر یہ اجلاس مشاورت، اخلاص، فکری گہرائی اور اجتماعی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ آگے بڑھا تو یہ نہ صرف تنظیم کی مضبوطی کا ذریعہ بنے گا بلکہ نوجوانوں کی فکری تربیت اور معاشرے میں معروف و خیر کے فروغ میں مؤثر کردار ادا کرے گا۔

مرکزی کابینہ کی منظوری اجلاس میں کثرتِ رائے سے آئی ایس او پاکستان کی سال ۲۰۲۵-۲۶ کیلئے مرکزی کابینہ کی منظوری دی گئی جس میں درج ذیل ذمہ داران شامل ہیں:

برادر علی زین نائب صدر، برادر سروش زیدی جنرل سیکرٹری، برادر علی رضا

ڈپٹی جنرل سیکرٹری، برادر انیس فنانس سیکرٹری، برادر عترت زیدی سوشل میڈیا سیکرٹری، برادر ساغر محبین انچارج، برادر نجم انچارج پروفیشنل ادارہ جات، برادر ہمراز شعبہ میڈیکل انچارج، برادر حمزہ ترجمان آئی ایس او پاکستان۔

خطابِ علماء وسینئرز

اجلاس کے دوران سینئرز اور اراکینِ نظارت نے تربیتی اور فکری نکات پر مشتمل گفتگو کی جنہوں نے نوجوان نمائندگان کو تنظیمی بصیرت اور عملی رہنمائی فراہم کی۔ علامہ غلام شبیر بخاری نے نوجوانوں کو قرآن سے گہرا تعلق قائم رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ قرآن صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ ہر دور میں انسان کے لیے راستہ دکھانے والی بنیاد ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ تنظیمی کارکنان اپنی جدوجہد کو قرآنی اخلاق اور حکمت کے ساتھ جوڑیں۔ برادر روزی علی نے تنظیمی نظم وضبط اور اجتماعی مزاج کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی ادارے کا اصل وقار اس کے کارکنان کا رویہ اور عملی ذمہ داری ہوتی ہے۔

برادر اطہر عمران نے گفتگو میں نوجوانوں کو غور وفکر اور مطالعہ کی عادت اپنانے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ فکری مضبوطی ہی عملی کردار کو پائیدار بناتی ہے۔ برادر حسن زیدی نے تنظیمی تسلسل اور ذمہ داریوں کی منتقلی کے حوالے سے کہا کہ ہر ذمہ دار کو اپنے بعد آنے والے کارکن کو بہتر ماحول اور سوچ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ برادر فرحان حیدر زیدی نے موجودہ سماجی چیلنجز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نوجوان اس ملک کی فکری سمت کا تعین کرنے میں مرکزی کردار رکھتے ہیں۔ سابق مرکزی صدر برادر فخر نقوی نے تجربات کی روشنی میں کہا کہ تنظیمی محنت کا اصل ثمر کردار کی تعمیر اور قوم کی فکری بیداری ہے۔ برادر حسن عارف نے نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ وہ میدانِ عمل میں ہمیشہ حکمت، اخلاق اور بلند مقصدیت کو پیشِ نظر رکھیں۔

سالانہ پروگرام کی منظوری اجلاسِ کونسل میں آئی ایس او پاکستان کے سال 2025-26 کے سالانہ پروگرام کی منظوری دی گئی جس میں تربیتی اجتماعات، تعلیمی سیمینارز، سماجی خدمات، اور فکری و معاشرتی اصلاح کی سرگرمیوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔

اختتامی خطاب مرکزی صدر آئی ایس او پاکستان

اختتامی نشست میں مرکزی صدر بھائی سید امین شیرازی نے سال 2025-26 کو ''سال احیائے ثقافتِ اسلامی واستحکامِ پاکستان'' کے عنوان سے منانے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ثقافتی احیا کا مطلب محض تہذیبی نشانات کی پاسداری نہیں بلکہ اسلامی اخلاق، عدل، ذمہ داری اور اجتماعی بھلائی کی قدروں کو عملی زندگی میں تازہ کرنا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ نوجوان اس مشن کو اخلاص اور حکمت کے ساتھ آگے بڑھائیں گے اور تنظیمی کارکردگی کو سماجی اصلاح کا مؤثر ذریعہ بنائیں گے۔ اجلاس کا اختتام دعائے وحدت پر ہوا۔

☆☆☆☆☆

یمن میں نئی فتنہ انگیزی اور مقاصد

تحریر: رضا دہقانی

متحدہ عرب امارات کے کرائے کے فوجیوں نے یمن کو تقسیم کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر دھرنوں کا مطالبہ کیا ہے۔ اس علیحدگی پسند گروپ (جنوبی عبوری کونسل)، جو یو اے ای کے ساتھ منسلک ہے، اس نے ایک بیان میں اپنے تمام حامیوں سے مختلف شہروں میں دھرنے دینے اور جنوبی یمنی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرنے کی اپیل کی ہے۔ فارس نیوز ایجنسی کے مطابق، متحدہ عرب امارات کے ساتھ منسلک ''جنوبی عبوری کونسل'' گروپ نے کل رات گئے ایک بیان میں اپنے تمام حامیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ''عدن''، ''مکلہ'' (صوبہ حضرموت کا دارالحکومت) اور الغایدہ (صوبہ المہرہ) سمیت مختلف شہروں میں دھرنے دیں اور یمن سے علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ بیان میں، گروپ نے اپنے حامیوں سے شہر کے اہم چوکوں میں آج اتوار کی صبح سے خیمے لگانے کا مطالبہ کیا۔

یہ کال، جسے اپنی نوعیت میں بے مثال سمجھا جا رہا ہے، کیونکہ یہ یمن کے 70 فیصد سے زائد تیل کے ذخائر پر مشتمل صوبہ حضرموت میں نا امنی کا باعث بن سکتی ہے۔ حالیہ دنوں میں عبوری کونسل کے عناصر اور ریاض سے وابستہ حکومت اور صوبہ حضرموت کے قبائل کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ رپورٹس کے مطابق، SNC فورسز نے 2 دسمبر 2025ء کو ''مستقبل کا وعدہ'' کے نام سے ایک فوجی آپریشن شروع کیا اور اسٹریٹجک شہر سیون، وادی حضرموت کے اہم فوجی اور شہری مراکز اور یہاں تک کہ تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ آپریشن، جسے SNC نے ''سکیورٹی کی بحالی اور دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے ایک ضروری قدم'' کے طور پر بیان کیا ہے، اسے حکومت کی حامی فورسز اور مقامی قبائل کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہے، لیکن SNC عناصر اب تک برتری حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

یہ لڑائی 30 نومبر کو شروع ہوئی تھی اور اس میں بھاری گولہ باری، بھاری ہتھیاروں کا استعمال اور شہری ہلاکتیں شامل ہیں۔ SNC کا دعویٰ ہے کہ پیش قدمی خطے میں القاعدہ، ISIS اور انصاراللہ کے اثر ورسوخ کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھی، جبکہ حکومت کے حامی اہلکار اسے ''مسلح بغاوت'' کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ دوسری جانب کشیدگی میں اضافے کے درمیان سعودی وفد ثالثی کے لیے خطے میں داخل ہوا اور بظاہر چار روز قبل متحارب فریقوں کے ساتھ ایک عارضی معاہدہ طے پایا، جو کہ اب تک صرف کاغذوں پر ہی رہ گیا ہے۔ ادھر ریاض سے وابستہ حکومت کے سربراہ عدن سے فرار ہو گئے۔ اس پیش رفت کے ساتھ ساتھ باخبر ذرائع نے کل اطلاع دی کہ ''یمن صدارتی کونسل'' (ریاض کے ساتھ منسلک) کے نام سے مشہور تنظیم کے سربراہ رشاد العلیمی نے عدن کے علاقے الماشیق میں واقع صدارتی محل کو اچانک چھوڑ دیا اور اس روانگی کے ساتھ دفتر کا مکمل انخلاء اور دستاویزات کی منتقلی بھی شامل ہے۔

Arabi21 ویب سائٹ کے مطابق العلیمی کے عملے نے ان کی روانگی

سے قبل حساس دستاویزات اور فائلوں کو جلا دیا اور صدارتی محل سے منسلک

ہتھیاروں اور گاڑیوں کو محل سے ہٹا دیا۔ ایک ایسی کارروائی جو ہنگامی حالت اور عدن حکومت سے وابستہ سکیورٹی ڈھانچے کے سقوط کے امکان کی نشاندہی کر رہی ہے۔ دوسری جانب، متحدہ عرب امارات کی حمایت یافتہ افواج کی پیش قدمی کے جواب میں، حضرموت قبائل کے گرینڈ الائنس نے ایک سخت بیان جاری کرتے ہوئے، UAE کو صوبہ حضرموت میں فوجی جھڑپوں کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ حضرموت اور المہرہ صوبوں میں وسیع پیمانے پر دھرنے اور فوجی مہم کا مطالبہ ایک ایسے وقت میں کیا گیا ہے، جب علی عبداللہ صالح کی حکومت کے خاتمے کے بعد سے، جنوبی عبوری کونسل نے ہمیشہ جنوب کو شمال سے الگ کرنے پر زور دیا ہے اور اس سلسلے میں متحدہ عرب امارات کی جانب سے وسیع مالی اور ہتھیاروں کی مدد سے فائدہ اٹھایا ہے۔

جنوبی یمن نامی ایک ملک یمن میں 27 سال سے موجود ہے۔ جنوبی یمن 1967ء میں برطانوی اثر ورسوخ کے خاتمے کے بعد ''پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک آف یمن'' کے نام سے قائم ہوا تھا اور اسے عرب دنیا کی واحد مارکسی حکومت سمجھا جاتا تھا۔ اسے برسوں سے ملک کے اندرونی بحرانوں، دھڑے بندیوں اور شمالی یمن کے ساتھ کشیدہ تعلقات کا سامنا رہا۔ بین الاقوامی تبدیلیوں اور سوویت یونین کے انہدام کے بعد، دونوں یمنوں نے 1990ء میں اتحاد کا عمل شروع کیا اور ایک سرکاری معاہدے پر دستخط کے ساتھ، ''جمہوریہ یمن'' کا قیام عمل میں آیا۔ تاہم، سیاسی کشیدگی جاری رہی اور 1994ء میں خانہ جنگی کا باعث بنی، لیکن شمال جیت گیا اور یمن کا متحد ڈھانچہ قائم ہوا۔ اگرچہ جنوب اور شمال کے درمیان تقسیم اب بھی باقی ہے۔

☆☆☆☆☆

اجلاس مرکزی کونسل

سال 2025-26

سال 2025-26

سال 2025-26